اسی محفل میں کسی جھوٹے شخص کا ذکر چھڑا تو احسان دانش فرمانے لگے۔

"اجی اُس کی کیا بات کرتے ہیں، وہ شخص تو صرف اتنا جھوٹ بولتا ہے، جتنا نمک میں آٹا۔" اور ساری محفل اس نئی ترکیب "نمک میں آٹا" کو سُن کر کشتِ زعفران بن گئی



ایک بار اشرف صبوحی کسی کام سے حفیظ جالندھری کے گھر گئے، وہاں انہوں نے حفیظ جالندھری سے کوئی کتاب طلب کی، جو کسی الماری میں مقفل تھی، حفیظ صاحب نے بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی۔

"بیگم! ذرا چابی دینا! ایک کتاب نکالنا ہے۔"

اس پر صبوحی صاحب چہک کر بولے۔

"ہاں ہاں ضرور چابی دیجئے انہیں! یہ بھی اب جاپانی کھلونا بن گئے ہیں، چابی کے بغیر نہیں چل سکتے۔"



شاہد احمد دہلوی پاکستان میں آکر کراچی ریڈیو سے گانا نشر کرنے لگے تھے اور موسیقی کے سبق بھی نشر کیا کرتے تھے۔ حکومت نے قومی اصلاح کی غرض سے حکم جاری کیا کہ پروگراموں کے درمیانی وقفوں میں مختلف قسم کے اقوال نشر کئے جائیں، مثلاً جھوٹ مت بولو، تھوکئے نہیں وغیرہ وغیرہ۔

ایک شام شاہد گا رہے تھے، گانا ختم ہوتے ہی اناؤنسر کی آواز سنائی دی، "ابھی ابھی شاہد احمد حفیظ جالندھری کا کلام سنا رہے تھے" اور اسکے ساتھ ہی یہ مقولہ نشر ہوا "فحش کلامی سے پرہیز کیجئے"!

یہ اناؤنسر مرزا یاس یگانہ چنگیزی کے صاحبزادے تھے اور حضرت شاہد کو اس اتفاقی مذاق کا پتا چلا تو کہنے لگے۔

"کاش! اس برخوردار نے یہی نصیحت اپنے بزرگوار کو کی ہوتی"!

اناؤنسر صاحب نے یہ مشورہ مانا یا نہیں تاہم اتنا ضرور ہوا کہ اس حادثے کے بعد اقوال کو نشر کرنے کا دستور ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔

ایک محفل میں جہاں راقم الحروف بھی شریک تھا، مقبول جہانگیر نے سید عطرت زیدی کی وفات کی خبر سناتے ہوئے احسان دانش سے کہا کہ۔

"جوش صاحب تو ضرور اس کے جنازے پر آئے ہوں گے"۔ اس پر احسان صاحب چہک کر بولے "او بہہ! وہ شخص تو اپنے جنازے پر نہ آئیگا عطرت کے جنازے پر آکے کیا خاک آتا ہے"؟

سد ولست کرا دیا

انجمن ترقی پسند مصنفین کے توڑ میں" اسلام پسند مصنفین" اور "تعمیر پسند مصنفین" کے نام سے دو انجمنیں قائم ہوئیں، چراغ حسن حسرت نے جب سنا کہ "انجمن مصنفین" کے نام سے ایک اور انجمن بن رہی ہے، تو کہنے لگے۔

"ہمارے حال میں ترقی پسند، اسلام پسند اور تعمیر پسند جیسے ناموں کے معاملہ میں انجمن مصنفین بہت کم حقیقت سا نام معلوم ہے، اس سے تو اچھا ہے کہ اس انجمن کا نام فقط مصنفین رکھ دیا جائے۔"

روزنامہ "امروز" کراچی میں ایک مراسلہ چھپا جس کا عنوان تھا "آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے؟"

لاہور کے "امروز" میں چراغ حسن حسرت نے "حرف و حکایت" کے کالم میں اس کے جواب میں لکھا۔

"حضرت! اگر انصاف کراچی میں نہیں تو لاہور میں بھی تو نہیں معلوم ہوتا ہے کہ بیچارا انصاف گرمی کا موسم گزارنے مری چلا گیا ہے، آخر وہ بھی کیا کرے؟ لاہور والے بھی اسے آوازیں دیتے رہے، کراچی میں بھی لوگ اسے دم بھر کے چین نہیں لینے دیتے، اور اطراف سے اور جمعیل ہوا اور شور مچ گیا کہ آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے؟ اسلئے اگر وہ چھٹی منانے مری چلا گیا ہے تو آوازیں دے دے کر اسے پریشان تو نہ کیجئے۔"

ہوکر آپ کو پہچان پایا تو بے چارے کو خاص مایوسی ہوئی، کہنے لگا " مولانا! آپ اگر دوسی ٹرک کرا اپنا تعارف کرا دیتے تو مجھے یہ بے درد کی تکان نہ جھیلنا پڑتی " مولانا یہ سن کر مسکرا دیئے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ پروفیسر احمد شاہ پطرس بخاری مرحوم ایک انگریز افسر سے ملنے گئے افسر کی سیکرٹری کوئی نک چڑھی خاتون تھی۔ اس کے اور پطرس کے درمیان جو مکالمت ہوئی وہ درج ذیل ہے۔

" آپ کا نام ؟"

" احمد شاہ پطرس بخاری "

" کیا کرتے ہیں ؟"

" ریڈیو میں ڈائرکٹر جنرل ہوں "

" صاحب سے کبھی پہلے بھی ملے ہو ؟"

" جی نہیں "

" اچھا کل آنا "

اور پطرس واپس لوٹ آئے، اگلے روز پھر یہی دہی باتیں ہوئیں اور سیکرٹری صاحبہ نے کل آنے کا مشورہ دیا۔ تیسرے دن پطرس نے جاتے ہی کہا،

" میرا نام پطرس بخاری ہے، ریڈیو میں ڈائرکٹر جنرل ہوں۔ صاحب سے پہلے کبھی نہیں ملا اور اب میں کل آؤں گا "

سیکرٹری صاحبہ یہ سن کر مسکرا دیں اور صاحب سے پطرس کی ملاقات کا

پروفیسر اولاد احمد صدیقی کی شادی ہوگئی تو ان سے احمد جمال پاشا نے ایک دن پوچھا۔ "جب آپ اپنی بیوی کو خط لکھیں گے تو ———
"آپ کا اولاد ——— یا آپ کی اولاد لکھیں گے ———؟"

جناب آشفتہ لکھنوی کے دروازے پر کسی خوش آواز فقیر نے صدا لگائی اور کوئی شعر پڑھا۔

آشفتہ صاحب کے خوردسالہ بھانجے نے اس سے کہا
"ٹھہرو! میں ماموں جان کو مطلع کرتا ہوں۔"
اندر جاکر آشفتہ صاحب سے کہا "کوئی صاحب آپ کو باہر بلاتے ہیں۔"
آشفتہ صاحب نے کہا "نام تو پوچھا ہوتا۔"
"کوئی شاعر ہے، آپ کے دھوکے میں مجھ کو غزل سنانی شروع کردی۔"

مولانا ظفر علی خاں رحمۃ اللہ کے بارے میں چراغ حسن حسرت کا خیال تھا کہ وہ خوب موٹے تازے ہو گئے، مگر جب انہیں دیکھا تو سخت مایوسی ہوئی۔ اس کی وجہ حسرت صاحب نے یہ بتائی کہ وہ ہر روز صبح اٹھ کر ورزش کرتے اور میلوں تک پیدل دوڑتے چلے جاتے۔ ایک مرتبہ آپ صبح ہی صبح کہیں ورزشی دوڑ لگا رہے تھے کہ ایک پولیس والے کو کچھ شبہ ہوا اس نے آواز دی تو مولانا کو دل لگی سوجھی اور سرپٹ دوڑے، گھبرائے ہوئے سپاہی پیچھے پیچھے اور آپ آگے آگے۔ ایک میل لمبی دوڑ دھوپ کے بعد جب وہ آپ کے پیچھے دفتر "زمیندار" میں داخل

بھاگ کر دفتر میں جا گھسے اور کمرے میں جا کر نوکر سے کپڑے منگوائے اور یہاں سے معافی مانگی مہمان حواس باختہ سے دم بخود ہو گیا تھا کہنے لگا
"یہ بھی تو اک ادائے قلندری ہے"

اور حاجی لق لق کو تو ہم جانتے ہیں، وہی جس کے پیسے سے بھی شراب کی بو آتی تھی وہی "زمیندار" کا کالم نویس، ایک شام جب وہ اپنے دفتر سے اٹھنے ہی والا تھا کہ ایک بے تکلف دوست آگیا۔
"کتنے پیسے ہیں تمہاری جیب میں؟"
لق لق نے ان الفاظ کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا۔
اس نے اپنی جیب کو ٹٹولتے ہوئے بتایا۔
"ڈیڑھ روپے کے لگ بھگ ـــــ"
لق لق کی باچھیں کھل گئیں
"تو حل ہو گیا مسئلہ ـــــ ایک روپیہ میرے پاس بھی ہے"
"لیکن اس سے کیا ہوگا؟"
"ٹھرے کا ایک پوا لے کر پئیں گے"
"ایک پوے سے دو آدمی ـــــ؟"
"ارے میاں، اتنا نشہ تو ہو جائیگا کہ فلاں رسالہ کے مالک سے پیسے کے لئے دوبارہ پیشگی مانگتے ہوئے شرم محسوس نہ ہوگی"

قلم تو آپ میرا استعمال کر رہی ہیں اور لکھتی ہیں "نقلم خود ہے۔"

حکیم محمد سعید دہلوی لاہور آنے کے لئے کراچی کے ہوائی اڈے پر کھڑے طیارے کا انتظار کر رہے تھے۔ اشرف صبوحی صاحب بھی ہمراہ تھے اتنے میں حکیم صاحب کو بیت الخلاء کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انہوں نے صبوحی صاحب سے کہا کہ

"ذرا سامان کا خیال رکھیے میں پیشاب کر آؤں۔"

صبوحی صاحب چمک کر بولے

"حکیم صاحب! اتنی پریشانی بھی کیا؟ جس خدا نے آپ کو فارغ البال بنایا ہے وہی آپ کو فارغ البول بھی کر دے گا۔"

یاد رہے کہ بالوں کے سلسلے میں حکیم صاحب واقعی "فارغ البال" ہیں۔

آغا شورش کاشمیری ایک بار غسل کر رہے تھے، اتنے میں کوئی ملاقاتی آ گیا۔ آغا صاحب رات بھر لکھ کر تھکے ہوئے تھے اور غسل کر کے سونا چاہتے تھے اسلئے ملازم نے غسل خانے کے کواڑ سے منہ لگا کے کہا "آغا صاحب! انکس ماہر سے کوئی صاحب ملاقات کے لئے آئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مجھے جلد واپس جانا ہے، ورنہ گاڑی نکل جائیگی۔"

شورش کاشمیری کو ایسے مہمان کا اس قدر خیال آیا اور اس خیال میں اس قدر گھبرائے ہوئے باہر نکلے کہ کپڑے پہننے کا بھی خیال نہ رہا اور ننگے ہی تولیہ کاندھے پہ ڈالے غسل خانے سے باہر نکل آئے

ملاقاتی حیران ہو گیا۔ نوکر نے اشارے سے عریانی کی طرف توجہ دلائی تو وہ

" مجھے دو چیزوں سے بے حد پیار ہے۔"

ساحر اور شورش ہمہ تن گوش ہو گئے اور احتر نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا

" س اور ش سے ۔۔۔ س یعنی سگرٹ اور ش یعنی شراب۔" اور پھر دوسرے ہی لمحے

اپنے عقیدت مندوں کی طرف نظر ڈالتے ہوئے بولے۔

" اور صرف یہی نہیں، س یعنی ساحر اور ش یعنی شورش بھی۔"

مولانا تاجور نجیب آبادی کے ایک شاگرد نہایت پُرگو تھے، ایک ایک دن میں چار چار

غزلیں اصلاح کے لئے مولانا کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے۔

ایک روز گھبرائے ہوئے سے آئے اور مولانا سے کہنے لگے۔

" حضرت علامہ غضب ہو گیا میری غزلوں کی بیاض کسی نے چرالی ہے۔"

مولانا تاجور نجیب آبادی اطمینان کا سانس لے کر کہنے لگے۔

" عزیزم! جس نے بھی یہ کارِ خیر سرانجام دیا ہے اس نے پوری اُردو شاعری پر

احسانِ عظیم فرمایا ہے۔"

میڈم نورجہاں کسی بنک میں گئیں اور چیک کاٹنے کے لئے انہیں قلم کی ضرورت

پیش آئی، اتفاق سے وہاں اشرف صبوحی صاحب موجود تھے، انہوں نے اپنا قلم پیش کیا،

چیک لکھ کر میڈم حسبِ دستخط کرنے لگیں تو انہوں نے وہاں لکھا۔

نورجہاں بقلم خود "۔۔۔ صبوحی صاحب فوراً بول اٹھے

" میڈم! بقلم صبوحی لکھئے۔"

احمق پھپھوندوی ایک مشاعرے میں بلائے گئے جس میں بہت سے شاعر ان کی پسند کے نہ تھے انہوں نے اپنے تخلص کا سہارا لے کر یہ مقطع پڑھا ؎

ادب نواز ہیں اہل ادب کا کیا کہنا
مشاعروں میں اب احمق بلائے جاتے ہیں

پطرس بخاری کی موجودگی میں اُردو کے دو مشہور شاعر آپس میں بحث کر رہے تھے کہ شعر میں "اعلان نُون" جائز ہے یا نہیں؟
دیر تک بحث مباحثہ کے بعد جب وہ کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکے تو پطرس نے کہا۔
"اگر واقعی آپ حضرات نون کے اعلان کے خلاف ہیں تو از راہِ کرم "اعلان نُون" کی بجائے "اعلا نون" کہیے۔"

اختر شیرانی کو شراب پیتے دیکھ کر اُن کے ایک ہمدرد دوست نے نصیحت فرمائی "خدا کے لئے پیتے ہوئے اس خالص شراب میں سوڈا یا پانی ملا لیا کیجئے اس طرح پینے سے دل جلتا ہے" اختر نے نٹ پیگ حلق میں انڈیلتے ہوئے کہا۔
"مولانا! اللہ بہتر جانتا ہے کہ میرے اس طرح پینے سے دراصل کس کا دل جلتا ہے؟"

اختر شیرانی شراب کے نشہ میں دھت تھے کہ اچانک ساحر لدھیانوی اور شورش کاشمیری مل گئے ساحر نے نہایت عقیدت سے اختر کو سگریٹ پیش کیا تو اختر صاحب سگریٹ کے لمبے لمبے کش لگاتے ہوئے جھوم کر بولے۔

ایک مشاعرے کے درمیان جب وقفہ ہوا اور شاعروں کو چائے پیش کی جانے لگی تو حامد شاہجہان پوری کے بچے نے کہا۔ "بس خالی چائے"۔
حامد صاحب نے انہیں آنکھ سے منع کیا تو بولا۔
" اتنا پیچھے آنا پیٹ اور بس ایک پیالی چائے، کیا گھر پر آپ کو نہیں ملتی چائے؟

کرنل مجید نے ایک بار پطرس بخاری سے کہا۔
اگر آپ اپنے مضامین کا مجموعہ چھپوائیں تو اس کا نام "صحیح بخاری" رکھیں
پطرس مرحوم نے جواب دیا
" اور اگر آپ اپنی نظموں کا مجموعہ چھپوائیں تو اس کا نام "کلام مجید" رکھیں۔

ایک دفعہ شوکت تھانوی سخت بیمار پڑے، یہاں تک کہ ان کے سر کے بال جھڑ گئے دوست احباب ان کی عیادت کو پہنچے اور بات چیت کے دوران میں ان کے گنجے سر کو بھی دیکھتے رہے، سب کو متعجب دیکھ کر شوکت تھانوی بولے
" ملک الموت آئے تھے، صورت دیکھ کر ترس آ گیا بس صرف سر پر ایک چپت رسید کر کے چلے گئے"

علامہ کیفی کو ایک صاحب نے پان پیش کیا، اس وقت کیفی صاحب مصنوعی دانت نہیں لگائے تھے، انہوں نے پان لینے سے معذرت کی اور کہا۔
" اس وقت پان کھانے کی بتیس نہیں ہے"

ایک سرکاری افسر صدر مشاعرہ تھے اور نوح ناروی مرحوم اپنا کلام سنا رہے تھے
صدر مشاعرہ حیرت اور غور سے نوح کا کلام سن رہے تھے جب اپنا کلام سنا چکے تو صدر
مشاعرہ اپنی افسرانہ شان کے ساتھ اٹھے اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے۔

"نوح صاحب! خوب!! مجھے حیرت ہے کہ آپ غیر ملکی ہونے کے باوجود اُردو زبان
میں اتنی اچھی شاعری کر لیتے ہیں"

نوح صاحب کا منہ حیرت سے کھُل گیا "جی کیا فرمایا؟ غیر ملکی؟"

صدر مشاعرہ نے افسرانہ معصومیت کے ساتھ جواب دیا

"جی ہاں! غیر ملکی!! ناروے کے رہنے والے ہیں نا آپ؟ ایک ناروی کا
اُردو میں اتنی اچھی شاعری کر لینا کمال ہے"

ایک محفل میں قیوم نظر نے یوسف ظفر کے ایک شعر کی تعریف کرتے ہوئے کہا
"کاش آپ اتنے موزوں ہوئے کہ میرے تمام گیت لے لیتے اور مجھے یہ شعر دے دیتے"
یوسف ظفر نے اسی بھرے لہجے میں جواب دیا "کاش میں اتنا بیوقوف ہوتا"

ایک ریڈیو مشاعرے میں ایک گستاخ چھوکرے نے یوسف ظفر کی غزل پر
اعتراض کیا کہ "اشعار بے جان ہیں"

آپ نے جھک کر فرمایا۔ "میں شاعر ہوں، ابن مریم نہیں کہ مُردہ اشعار میں
روح پھونک سکوں"

دی جائے گی' وہ غیر معروف ہوگی اور جب شاعر نے سامعین کی توجہ دلانے کے لیے کہا کہ
حضرات زباں دیکھئے ' تو میں یہ سمجھا کہ اب یہ منہ کھول کر زباں دکھائیں گے

ہندوستان کے ایک مشاعرے میں نور میرٹھی کے بعد مولانا انور صابری نے اپنا کلام
سنانا تھا' گوپی ناتھ امن نے نور صاحب کی غزل کا یہ مصرعہ دہراتے ہوئے مولانا کو بلایا

ع اب ان کا زمانہ ہے اب ان کی جوانی ہے

مولانا اسٹیج پر تشریف لائے اور امن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ع

اب ان کا بڑھاپا ہے اور میری جوانی ہے

ایک مشاعرے میں ایک نومشق صاحبزادے نے ایک غزل سنائی جس میں ستتر
مصرعے بسمل سعیدی کے تھے۔
جب بسمل سعیدی صاحب اپنی غزل پڑھنے کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا۔
" اب میں اپنے کہے ہوئے اشعار خود سنا رہا ہوں "
لفظ " خود " پر بہت داد ملی۔

شعر خوانی سے قبل شعراء حضرات کرسیوں پر بیٹھے تھے' مشاعرہ شروع ہونے سے
، ہوا کہ فرشی نشست ہو' چنانچہ گوپی ناتھ امن نے شعرا کو کرسیوں پر سے
ہوئے کہا

! اب اہل فن کا زوال ہو رہا ہے "

"مادۂ محمود" ہے، جوش ملسیانی کے مجموعہ کا نام "مادۂ سروش" ہے۔"
شادؔ نے ہاتیت یار صدیقی سے دریافت کیا۔
"تو اس لحاظ سے آپ کی کتاب کا نام "مرغ بسمل" کیسا رہے گا؟"

نظم معرّیٰ کی مذمت کرتے ہوئے آغا سید احمد نے کہا۔
"قافیہ کی اہمیت، مگر یہ ہے، قافیہ سے شعر میں صوتی حسن پیدا ہوتا ہے اور قافیہ ایک طرح سے شعر کا زیور ہے۔"
قیوم نظر نے یہ سن کر کہنے لگا۔
"لیکن ـــــ ہمیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی۔"

نواب سائل اور مولانا بیخود ایک مشاعرے میں اکٹھے نہیں پڑھتے تھے اتفاق سے ایک جگہ یہی دونوں استاد رہ گئے۔ مولانا بیخود اپنی غزل نکال کر پڑھنے لگے کہ نواب سائل نے انہیں روکا اور کہا۔
"دیکھو یہ تدبیری نہ کرو۔"
بیخود نے انہیں حیرانی سے دیکھتے ہوئے غزل جیب میں رکھ لی اور بولے
"اچھا تم تدبیری کر دو۔"

یار محمد یوری نے مشاعروں کا مذاق اُڑاتے ہوئے لکھا ہے کہ "ایک دعوت نامے میں لکھا تھا ـــ' سامعین کو معتبر جگہ دی جائے گی' جس سے میں یہ سمجھا کر شاعروں کو جو جگہ

"قتیل صاحب! آپ کا ایک شعر ہے ؎
اڑتے اڑتے آس کا پنچھی دُور افق میں ڈوب گیا
روتے روتے بیٹھ گئی آواز کسی سودائی کی
میں نے اس کی پیروڈی کی ہے، لیکن ایک کی بجائے دو لفظوں میں ترمیم کی ہے۔
؎ اڑتے اڑتے آس کا پنچھی دُور افق میں ڈوب گیا
روتے روتے بیٹھ گئی آواز قتیل شفائی کی

عبدالمجید سالک کو ایک بار کسی دل جلے نے لکھا۔
آپ اپنے رسالہ میں گمراہ کن تحریریں چھاپتے ہیں اور عام لوگوں کو بیوقوف بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں۔"
سالک صاحب نے نہایت حلیمی کے ساتھ جواب دیا۔
" ہم تو جو کچھ لکھتے ہیں ملک و قوم کی بہبودی کے جذبہ کے زیر اثر لکھتے ہیں اور اگر ہمارے قارئین میں آپ جیسا ایک آدمی بھی ہمارے کسی مضمون سے متاثر ہو کر یک راہ اختیار کرلے سمجھیں گے ہمارا اُلّو سیدھا ہو گیا۔"

مسلم شاہجہانپوری اپنی رسیس مبارک کو کھاتے ہوئے بڑی بُرش کا ارشاد سے کہنے لگے۔
" صاحب میں اساد کو ان چھپوا کر شائع کرانا چاہتا ہوں لیکن پریشانی یہ ہے کہ اس کیلئے مناسب نام نہیں سوجھ رہا اپنے تخلص کی رعایت سے مجموعہ کا نام رکھنا چاہتا ہوں جیسے فانی بدایونی کے مجموعہ کا نام "باقیاتِ فانی" ہے۔ محمود دہلوی کے مجموعہ کا نام ...

مجروح سلطان پوری نے ساحر لدھیانوی سے برہم ہوتے ہوئے کہا۔

' یاد رکھو ساحر! جب تم مر جاؤ گے تو اُردو کا کوئی ترقی پسند ادیب تمہارے جنازہ کے ساتھ نہیں جائے گا۔'

ساحر نے اپنے چیچک زدہ چہرے کو سہلاتے ہوئے جواب دیا۔

" مجھے اس کا کوئی غم نہیں لیکن میں پھر بھی ہر ترقی پسند ادیب کے جنازے میں شریک ہونگا۔"

ـــــــــــــــــــ

چند بے تکلف شعراء میں پیروڈیوں کا ذکر ہو رہا تھا، ایک صاحب کہنے لگے

" پیروڈیوں میں اصل لطف یہ ہے کہ اصل شعر میں معمولی سے تصرف کے بعد مزاح پیدا کیا جائے۔"

قتیل شفائی نے یہ سنا تو بولے

' میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں، پیروڈی میں ایک آدھ لفظ کی ترمیم سے ہی بات پیدا کر لی جا سکتی ہے، عدم کا ایک شعر ہے ؎

شاید مجھے نکال کے پچھتا رہے ہوں آپ
محفل میں اس خیال سے پھر آ گیا ہوں میں

میں نے اس کی پیروڈی یوں کی ہے ؎

شاید مجھے نکال کے کچھ کھا رہے ہوں آپ
محفل میں اس خیال سے پھر آ گیا ہوں میں

یہ شعر سن کر سبھی شاعر کھلکھلا کے ہنس دیئے لیکن چند لمحوں بعد ایک شاعر قتیل صاحب سے مخاطب ہو کر گویا ہوئے۔ ؎

طنزاً دریافت کیا۔
"کیوں مخمور صاحب، آپ کا ترقی پسند ادب کس عنقائے مغرب کا نام ہے؟"
مخمور صاحب چیں بجبیں ہونے کی بجائے سنجیدگی سے پوچھنے لگے
"کیوں قبلہ، عنقا ترقی پسند ادب بھی کوئی جانور ہے؟"

~~~

گرمی کے موسم میں کوئی نوعمر ادیب عبدالمجید سالک سے ملنے اُن کے پاس آئے
سالک صاحب کے کمرے میں بجلی کا پنکھا چل رہا تھا خس کی بھینی بھینی خوشبو پھیلی
ہوئی تھی اور ہر چیز قرینہ اور نفاست سے رکھی ہوئی تھی وہ ادیب کمرے کی شاداب
فضا سے متاثر ہو کر کہنے لگا
"سالک صاحب، آپ نے تو اپنے کمرے کو بالکل جنت بنا رکھا ہے؟"
سالک صاحب نے فوراً جواب دیا
"نہیں صاحب، آپ کے آنے سے پہلے اس جنت میں غلماں کی کمی تھی؟"

~~~

کسی نے چراغ حسن حسرت سے کہا۔
"معشوق آپ کے ناول میں لکھا ہے آپ تو محض ایک مدت میں حسن میں شکل ال
کے معنے دیکھے جا سکتے ہیں؟"
حسرت نے جھلا کر جواب دیا۔
"اور معشوق ایک مجلس ناول ہے حسن کے مطالعے جیسی قیمتی پیاس بجھاتے ہیں"

~~~
~~~

نہیں ہے۔" — جگن ناتھ آزاد نے سردار کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔
"تو کیا آپ کا اصلی رنگ مستعار ہے؟"

اُردو ادیبوں کی ایک محفل میں مولانا عبدالحق کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب کھانا کھاتے کھاتے اپنی انگلیاں چاٹنے لگے۔ جب چٹخارے لے لیکر اپنی انگلیاں چاٹ چکے تو مولانا نے اپنا دست تعاون بڑھایا۔ اپنی انگلیاں ان کے منہ کے قریب لاکر کہنے لگے۔ — "لیجئے حضرت! اب انہیں بھی صاف کر دیجئے۔"

دو ادیب آپس میں بحث کر رہے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا شاعر اور ادیب کو ہمیشہ اپنی چشم دید چیزوں ہی کے متعلق لکھنا چاہیئے، ورنہ اس کا ادب حقیقت سے دُور ہوگا۔
ساحر لدھیانوی نے یہ بات سنی تو مسکرا کر کہا
"میرا چشم دید تجربہ ہے کہ اُردو ادیبوں کے بارے میں یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔"
وہ ادیب صاحب ساحر کی طرف دیکھنے لگے تو ساحر نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا "اُردو میں صرف دو ہی چیزیں کام کی لکھی گئی ہیں۔ کہانیوں میں قحط بنگال کے متعلق کرشن چندر کی کہانی "ان داتا" اور نظموں میں ساحر لدھیانوی کی نظم "تاج محل" لیکن یہ حقیقت ہے کہ نہ کبھی کرشن چندر بنگال میں گئے ہیں اور نہ میں نے ابھی تک تاج محل دیکھا ہے۔"

مجنوں گورکھپوری سے ایک پڑھے لکھے لیکن قدامت پرست بزرگ نے ایک

شوکت تھانوی اور وصل بلگرامی ایک ساتھ کہیں سفر کر رہے تھے کانپور اسٹیشن پر ایک یورپین حسینہ کو دیکھ کر شوکت نے کہا "وصل صاحب، آپ اتنے بڑے [illegible] ہیں، [illegible] سکتے ہیں لیکن اس حسینہ کا بوسہ لے سکیں تو بات ہے"

وصل صاحب نے چند لمحوں تک اپنی داڑھی کو کھجاتے ہوئے تامل کیا اور پھر ایک دم بوسہ لینے کے بعد چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا اور کہنے لگے "ہائے میری نور بصر زہرہ بھی ہو بہو اسی شکل و صورت کی تھی مرحومہ کے بھی ایسے ہی خدوخال تھے اور ایسی ہی چال ڈھال تھی"

وہ حسینہ سہم کر ایک طرف کھڑی ہو گئی دوسرے لوگ بھی یہ منظر دیکھ کر وہاں اکٹھے ہو گئے اور بالآخر سب نے وصل صاحب سے ہمدردی کرنے کے بعد انہیں وہاں سے بھیج دیا

~~~

ساحر لدھیانوی کے کسی دوست نے اس سے کہا "یار ساحر اب تو تمہاری زندگی ہر اعتبار سے آسودہ ہے اب تمہیں شادی کر لینی چاہیے۔"

ساحر نے غیر معمولی طور پر سنجیدہ ہو کر جواب دیا "چاہتا تو میں بھی ہوں لیکن کسی ایسی خاتون کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں جو کنواری ہونے کے ساتھ ساتھ انٹیلیکچول بھی ہو لیکن ٹریجڈی یہ ہے کہ دونوں صفات ایک ہی وقت میں کسی ایک لڑکی میں نہیں ملتیں، یا تو وہ کنواری ہوتی ہے یا انٹیلیکچول"

~~~

کسی مشاعرے میں سردار جعفری اپنا کلام سنانے سے پہلے کہنے لگے۔ اب اس عاشقانہ رنگ میں کچھ اشعار عرض کرنا چاہتا ہوں اگرچہ یہ میرا اصلی رنگ

یاس جیگری کسی مشاعرے میں اپنی غزل سارے سارے حسب مطلع پڑھنے لگے

پڑھکے بہت پالے ڈس چکے بہت کالے
موذیوں کے موذی کو فکر بیش عقرب کیا

وکسی من چلے نے پہلے مصرعہ میں ترمیم کرتے ہوئے کہنا شروع کیا ے

سرا لگا نہ خود موذیوں کے موذی ہیں
موذیوں کے موذی کو فکر بیش عقرب کیا

راد لیسنڈی کے ایک مشاعرے کے لئے لاہور سے کچھ شعراء کو مدعو کرنے

لئے گلزار نسیم حضرت احسان دانش سے ملے

انہوں نے سوال کیا "آپ کتنے پیسے دے سکیں گے ؟

گلزار نے کہا آپ کو تیس سو روپے دیئے جا سکیں گے " نہ زیادہ سے زیادہ

معاوضہ ہے اسی رقم کو قبول فرماتے ہوئے خان بہادر حفیظ جالندھری نے بھی

شمولیت کا وعدہ فرمایا ہے "

" حضرت ! کہاں خان بہادر اور کہاں مردور شاعر احسان ! لیکن بندہ نواز

میں اپنے مقام سے کسی قیمت پر نہیں گرنا چاہتا اور پانچ سو روپے سے ایک پائی

کم نہ لونگا میں بہت چھوٹا اور حفیظ صاحب لاکھ بڑے شاعر سہی لیکن یاد

رکھئے دودھ کتنی مفید اور عمدہ شے ہے لیکن گلی گلی میں فروخت ہوتا ہے اور تیزاب

انتہائی مدام اور مہلک ہونے کے باوجود اپنے مقام سے نہیں گرتی ہے

مشاعرہ کے سٹیج سکرٹری نے حضرت دل شاہجہانپوری کو کلام سنانے کی درخواست کی تو اُن کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

" آپ دل میں اور عاشقوں کے دلوں میں رہتے ہیں "

دل صاحب اس کے جواب میں شعر پڑھنے سے پہلے کہنے لگے

" لیکن اب وہاں نہیں بلکہ معشوقوں کی مٹھیوں میں رہتا ہوں "

ہندوستان کے ایک مشاعرے میں پہلے شام کے وقت بہت سے شعراء شہر کی سیر کرنے نکلے اتفاق سے شہر میں دو کشتیاں موجود تھیں ایک پر منتظم مشاعرہ کے ساتھ تاجور نجیب آبادی سیماب اکبر آبادی اور ساغر نظامی سوار ہو گئے اور دوسری صرف ناطق کے حصہ میں آئی

ان دنوں تاجور اور ناطق کی چشمک زوروں پر تھی تاجور نے ناطق کو چھیڑنے کے لئے مسکراتے ہوئے کہا۔

صاحب، ہم تو سوشل آدمی ہیں زندگی کے ہر شعبے میں جماعت کے قائل ہیں یہ کیا تنگ کہ کشتی میں اکیلے بیٹھے ہیں تین آدمیوں کو ساتھ لے کر "

ناطق کے کانوں میں جب ان الفاظ کی بھنک پڑی تو انہوں نے تلملا کر اپنا ایک شعر پڑھ دیا ۔

خضر منزل اپنا ہوں اپنی راہ چلتا ہوں
میرے حال پر دنیا کیا سمجھ کے ہنستی ہے

میاں صاحب نے حسب عادت نہایت خندہ پیشانی سے اپنے مہمانوں کا خیر مقدم کیا لیکن رات کو کھانے کے بعد عصمت سے انتہائی مشفقانہ لہجے میں کہنے لگے

تمہیں علم ہے عصمت! تمہارے بھائی عظیم بیگ جب لاہور میں آئے تھے تو میرے ہی ہاں ٹھہرتے تھے میرے ساتھ ان کے برادرانہ مراسم تھے اس رشتہ سے میں تمہیں اپنی چھوٹی بہن سمجھتا ہوں

اس تمہید کے بعد انہوں نے بزرگانہ متانت سے عصمت کو سمجھانا شروع کیا

" شریف گھرانوں کی بہو بیٹیوں کو کسی کہا سال بھی لکھنی چاہیئں کہ عدالتوں کچہریوں تک پہنچنے کی نوبت آئے؟ اب تم خود ہی سوچو کہ ایک بھائی کے لیے کتنی شرم کی بات ہے کہ اس کی بہن ـــــــ "

عصمت نے درمیان کاٹتے ہوئے جواب دیا

" بھیا! شروع میں تو میرا ارادہ یہی تھا کہ چڑے چڑیوں کی کہانیوں سے آگے نہ بڑھوں لیکن آپ کی ' گناہ کی راتیں ' پڑھ کر نیت خراب ہو گئی "

کسی مشاعرے میں حفیظ جالندھری اپنی غزل سنانے سے پہلے چراغ حسن حسرت سے مخاطب ہو کر بولے

" حسرت صاحب! ملاحظہ فرمایئے! مصرع عرض کیا ہے

اور حسرت صاحب' حفیظ صاحب کا مصرعہ سننے سے پہلے ہی نہایت سنجیدگی سے کہنے لگے ـــــ ' فرمایئے حضرت! شوق سے فرمایئے اپنی تو عمر ہی غزلوں کے شعبے اٹھانے اور مُردوں کو کندھا دینے میں کٹ گئی ہے "

فیض شفائی نے ایم اسلم سے اپنی اولیں ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے کہا۔
" کتنی عجیب بات ہے کہ میں اسلم صاحب کی کوٹھی میں اُن سے ملنے گیا لیکن اسکے باوجود اُن کا بارہ افسانہ سننے سے بال بال بچ گیا "

" یہ ناممکن ہے "
کسی نے اُن کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

" سنیے تو ـــــــ "
فیض نے مسکراتے ہوئے کہا

" ہوا یوں کہ انتہائی خاطر و مدارات کے بعد جب اسلم صاحب اپنا افسانہ سنانے کے موڈ میں آنے لگے تو انہوں نے کہا " فیض صاحب! آپ کی کچھ نظمیں ادھر میری نظر سے گذری ہیں آپ تو خاصے معقول شاعر ہیں مگر جانے عام لوگ ہر ترقی پسند شاعر کے بارے میں کیوں بدگمانی کا شکار ہیں " اور اسلم صاحب کی اس بات کے جواب میں میں نے نہایت انکسار سے کام لیتے ہوئے کہا۔
" جی ہاں! واقعی عام لوگ بہت غلط فہمیاں پیدا کر دیتے ہیں دیکھیے نا! اب آپ کے بارے میں بھی یوں تو یہی بات مشہور ہے کہ آپ ہر نو وارد مہمان کی تواضع کرنے کے بعد اسکو اپنا افسانہ ضرور سناتے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے "

جب " لحاف " کے سلسلے میں عصمت چغتائی پر مقدمہ دائر ہو گیا اور اپنے شوہر کے ساتھ مقدمہ کی پیروی کے لیے بمبئی سے لاہور آنا پڑا تو لاہور میں دونوں نے اتفاق سے میاں ایم اسلم کے ہاں قیام کیا

داماد بیچارا رش کر ہکا بکا رہ گیا' ایک واقف کلرک کہیں پاس ہی میٹھا تھا اس نے گذارش کی کہ ' حضرت ، یہ تو آپ کے داماد صاحبزادہ   ہیں" سے آپ کو ہوش آیا اور کہنے لگے ' ہاں ہاں خوب یاد دلایا "

میرا جی اپنے چند احباب کے ساتھ بازار میں گھوم رہے تھے چلتے چلتے اچانک انہوں نے اپنے ساتھیوں کو احساس دلایا کہ دیواروں پر جگہ جگہ مصرعے لکھے ہوئے ہیں جیسے

ع خالص دیسی گھی کی دکان

ع بیمار سائیکلوں کا ہسپتال یہی ہے

ع اس جگہ پیشاب کرنا منع ہے

ع اپنے جگر کے لعل کو بیدار کیجئے۔

راستہ میں ایک ٹی سٹال کے دروازے پر جلی کا ایک خوشنما کیلنڈر آویزاں تھا جس پر جلی حروف میں لکھا ہوا تھا۔

' گرمیوں میں گرم چائے ٹھنڈک پہنچاتی ہے "

میرا جی نے کیلنڈر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

" دیکھئے یہاں بھی ایک مکمل مصرع تحریر ہے "

" کیسے وہ کیسے ؟ ـــــــ " سب نے حیران ہو کر پوچھا

" یوں پڑھیے نا اسے " میرا جی نے اپنی روایتی ساحرانہ ساحت سے کام لیتے ہوئے کہا ع " گرمیوں میں گرم چائے ٹھنڈ پہنچاتی ہے ڈک "

اچھی طرح پہچان لیا ہے جبھی تو کہتا ہوں کہ جب سے آپ نے سکریٹری کی نوکری چھوڑی ہے کہیں نظر نہیں آئے "

مولانا ابھی حیران و پریشان ہی ہو رہے تھے کہ خان بہادر شیخ معزالدین ڈپٹی ایجنٹ نارتھ ویسٹرن ریلوے جو ڈاکٹر صاحب کے شاگرد بھی تھے' ادھر آنکلے انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو کھڑے دیکھا تو لپکے اور بڑے شوق سے مصافحہ کرنے کے بعد بولے

"میرا نام معزالدین شیخ ہے' آپ نے پہچان لیا مجھے ؟"

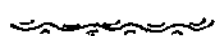
ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے 'ہاں ہاں' پہچان لیا' فرمائیے وہ آپکا لیکچر ہو گیا۔"

اب شیخ صاحب حیران تھے کہ کونسا لیکچر ؟ انہوں نے دوبارہ گذارش کی۔

قبلہ میں معزالدین شیخ ہوں' آپ کا پرانا شاگرد ریلوائی آدمی ہوں' مجھے لیکچر سے کیا سروکار'

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہاں ہاں بھئی میں جانتا ہوں' میں نے پروگرام میں تمہارا نام پڑھا تھا اسی لئے تو پوچھتا ہوں کہ تمہارا لیکچر ہو گیا ہے ؟

اب بیچارے شیخ صاحب بھی خاموش تھے۔



سر ضیاءالدین ایک روز دفتر میں بیٹھے تھے کہ اُن کا داماد جس کی ان کی دختر بلند اختر سے چند روز ہوئے شادی ہوئی تھی اُن سے ملنے آیا جب وہ اندر داخل ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے اسے دیکھا اس کے سلام کا جواب دیا اور پھر کام میں مشغول ہو گئے کافی دیر تک کاغذ اُلٹتے پلٹتے رہے اور فارغ ہوئے تو اپنے ہی داماد سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

"ویل جنٹلمین' وٹ کین آئی ڈُو فار یُو ؟

متفرق

ایک روز سر ضیاء الدین بارش سے بھیگتے ہوئے گھر پہنچے، کپڑے جلدی جلدی اُتار دینے کی نیت سے ہیٹ کو بارش پھینک دیا اور سگار کو کھونٹی پر لٹکانے کی کوشش کرنے لگے ــــــ اسی طرح ایک روز تھکے ہوئے باہر سے آئے ان کا حال یہ تھا کہ گھر پہنچتے ہی چھڑی کو کونے میں رکھکر خود اسی بستر پر لیٹ جاؤ نگا اور جب ذرا تکان دُور ہوگی تو کپڑے بدل لونگا۔ مگر جب گھر پہنچے تو عالم یہ تھا اسی میں چھڑی کو بستر پر لٹا دیا اور خود چپ چاپ کونے میں جاکر کھڑے ہو گئے۔



سر ضیاء الدین اور مولانا عبدالمجید سالک ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لاہور کے موقع پر سر سکندر کے ہاں ان کی ملاقات ہوگئی۔ مولانا سالک نے اُن سے از راہ شوق مصافحہ کرتے ہوئے عرض کی۔

"فرمائیے ڈاکٹر صاحب قبلہ! مزاج تو اچھے ہیں آپ کے؟"

فرمایا "ہاں خدا کا شکر ہے، مگر حضرت آپ نے جب سے سکریٹریٹ کی نوکری چھوڑی ہے، کہیں نظر ہی نہیں آتے؟"

مولانا بہت حیران ہوتے آخر عرض کی "قبلہ میرا نام عبدالمجید سالک ہے اور میں "انقلاب" اخبار کا ایڈیٹر ہوں شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟"

ڈاکٹر صاحب نے نہایت متانت کے ساتھ جواب دیا "نہیں نہیں میں نے آپ کو

"آپ کا پرچہ ہر ماہ کتنی تعداد میں شائع ہوتا ہے"

"گیارہ سو ——"

"گیارہ سو؛ —— وہ کیوں؟" —— کپور نے حیران ہو کر پوچھا

"ایک ہزار مارکٹ میں فروخت کرنے کے لیے اور ایک سو اعزازی طور پر ادیبوں کو مفت بھیجنے کے لیے۔"

کپور نے انتہائی سنجیدگی سے مشورہ دیا

"تو جناب آپ صرف ایک سو پرچے ہی شائع کیا کیجیے"

کلکتے کے ایک بنگالی پروفیسر سے کنہیا لال کپور کا تعارف کرایا گیا تو اس نے کپور کے دُبلے پتلے جسم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ پنجابی ہرگز معلوم نہیں ہوتے۔"

"آپ بجا فرماتے ہیں" کپور نے جواب دیا

"پنجابی کے بجائے بنگالی نظر آتا ہوں"

"نہیں صاحب بنگالی سے بھی بدتر۔"

"معاف کیجیے گا" بنگالی سے تو شاید ہی کوئی بدتر ہو گا"

کنہیا لال کپور

ایک انگریز خاتون جو خاصی ادبی ذوق رکھتی تھیں، کنہیا لال کپور سے متعارف ہوئیں تو اُن کے نحیف و نزار جسم کو دیکھ کر کہنے لگیں۔
"کپور صاحب، آپ تو سوئی کی طرح پتلے ہیں"
کپور نے مُسکراتے ہوئے نہایت انکساری سے کہا
"آپ کو غلط فہمی ہوئی محترمہ! بعض سوئیاں مجھ سے بھی موٹی ہوتی ہیں۔"



کنہیا لال کپور نے کسی شخص پر خفا ہوتے ہوئے کہا
"میں تو آپ کو شریف آدمی سمجھا تھا۔"
"میں بھی آپ کو شریف آدمی سمجھا تھا"
اس شخص نے بھی برہمی میں بلا سوچے سمجھے کہہ دیا
"تو آپ ٹھیک سمجھے، غلط فہمی مجھی کو ہوئی۔"
کپور نے نہایت سنجیدگی اور کمال عجز سے اعتراف کر لیا۔



ایک بار آپ کسی ادبی اور معیاری قسم کے اُردو ماہنامہ کے ایڈیٹر سے
ملنے کے لیے اس کے دفتر میں تشریف لے گئے
باتوں باتوں میں اسے ایڈیٹر دوست سے دریافت کیا

کو حیثیت صدر پڑھنا تھا لیکن وہ آخر تا حفیظ صاحب سے پہلے پڑھنا چاہتے تھے اس لئے اُٹھ کھڑے ہوتے لیکن اس سے پہلے حفیظ صاحب ان ملانے ہی سٹیج پر آ پہنچ گئے ۔ "میں نے کہا" پہلے میں پڑھوں گا" حفیظ صاحب نے جواب دیا" یہ خلاف ضابطہ ہے ، پہلے میں پڑھوں گا" اور یہ کہہ کر انہوں نے پرچہ جیب سے نکال لیا ادھر امن صاحب نے بھی پرچہ نکال لیا اور سامعین سے مخاطب ہو کر کہا ۔

حضرات ! اب دوگانا ہوگا ؟

حفیظ صاحب ہنس کر مسکرائے اور پرچہ جیب میں رکھ کر کہنے لگے

" بھائی میں ہار گیا ۔"



حفیظ جالندھری پہلی بار حج کرنے کے بعد واپس آئے تو ان کے چہرے پر ریش دراز کا اضافہ ہو چکا تھا کسی مشاعرہ میں ان کا یہ حلیہ دیکھ کر ساحر کیوں تھلوی نے داڑھی کی طرف اشارہ کرتے پوچھا

" کیوں جان صاحب ! یہ شاہنامہ اسلام کا تازہ ایڈیشن ہے ؟"



سامعین میں سے کسی من چلے نے کہا۔
جزاک اللہ، کیا میٹس ملاٹ نگ، قوم کو سنوارے گا، پروگرام ہے۔

سر کے بالوں کے سلسلے میں حفیظ صاحب "فارغ البالی" ہیں۔
کسی خوش فکر دوست نے کہا۔
حفیظ صاحب! سر کے بال نہ ہونے سے کوئی تکلیف تو نہیں ہوتی؟"
"تکلیف کیا ہوتی ہے ــــــ؟"
حفیظ صاحب نے جواب دیا "البتہ وضو کرتے وقت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ منہ کو کہاں تک دھونا ہے؟"

شاعروں کی ایک محفل میں ینڈت میلارام وفا نے ایک آسمی نوجوان کا تعارف کرواتے ہوئے کہا" آپ میں اداں صاحب اور مجھ سے اپنے کلام کی اصلاح لیتے ہیں"
ایک شاعر نے وفا صاحب کے تخلص کی رعایت سے ٹھوکر کہا۔
"کافی وفادار شاگرد معلوم ہوتا ہے"
اس پر حفیظ صاحب نے اپنا یہ شعر پڑھ دیا ــــ
وفاداریاں سخت بادواساں ہیں کہ ان کا نتیجہ پشیمانیاں ہیں

۱۹۶۳ء کے ہند پاک مشاعرے میں پاکستان سے گئے ہوئے شاعروں میں سب سے آخر میں جناب حفیظ جالندھری کو اپنا کلام سنانا تھا اس سے قبل شاعری کا اتفاق

ابوالاثر حفیظ جالندھری

دلّی کے ایک مشاعرے میں حفیظ جالندھری اپنی غزل سنا رہے تھے کہ فراق گورکھپوری نے دفعتاً بلند آواز سے کہنا شروع کیا "واہ حفیظ پیارے کیا گلا پایا ہے، یار میرا سارا کلام لے لو مگر اپنی آواز مجھے دے دو۔"
حفیظ ورا شعر ادھورا چھوڑ کر بولے۔
"جناب فراق صاحب، اس آپ کا بیاد مند ہوں میری آواز تو کیا آپ مجھے بھی لے لیجئے لیکن خدا کے لئے مجھے اپنا کلام، دیجئے۔"



ایک مشاعرے میں شاعر نظامی اپنی غزل سنا رہے تھے جب انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

بہت تلخ تھی زندگانی مگر
گلوں گل زخوں میں بسر ہو گئی

تو حفیظ صاحب نے بے اختیار داد دیتے ہوئے کہا۔
"سبحان اللہ کیا بات ہے بسر ہو گئی سے یہاں مراد ہے 'شیریں ہو گئی'۔"



کسی مشاعرے میں حفیظ جالندھری اپنا یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

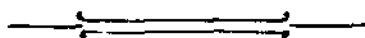
دنیا و دیں سے بیگانہ ہو جا
دیوانہ ہو جا یں جان سرائی

کا مرکب نہیں ہوتا



گا انگریزیت لیکن اس کی انگریزی نہیں جاتی اس سلسلے میں محسن لاہوری لکھتے ہیں "مجھے تو یہ بڑی پیاری معلوم ہوتی ہے، نہ گوری زبان ہی نہیں بلکہ "گوری کا جوبن" کہا ہے، اگر میرے بس میں ہو یعنی مطلب یہ ہے کہ جب میں ذرا " مال دار" ہو تو میں "انگریزی" سے شادی کر لوں، آخر لوگ دوسری شادی کرتے ہیں اور شرعاً یہ جائز بھی ہے میں تو کہتا ہوں ؎

کیا ہوا رنگ سے اگر کالا
منہ میں گوری زبان ہے پیارے



کیفیت یہ ہے کہ وہ جمہور کم اور مسطور زیادہ ہے

"گرمیوں میں گرم چائے ٹھنڈک پہنچاتی ہے" محمد لاہوری نے یہ عام جملہ پڑھا تو

اپنے کالم میں لکھا

"تو اس کا مطلب ہوا کہ سردیوں میں "اورنج سکویش" گرمی پہنچاتا ہے؟"

محمد لاہوری کو پیشاب میں شکر آتی تھی ایک دو بار حاجی لق لق کراچی آئے تو

لاہور واپس جا کر انہوں نے "زمیندار" میں لکھا

بخت ور ہے محمد لاہوری

جس کو گھر بیٹھے شوگر آتی ہے

اس کے جواب میں محمد لاہوری نے لکھا

"اب حکیم جیسی کا توڑا پڑا تو میں نے پیشاب دوبارہ ٹیسٹ کرایا تو معلوم ہوا کہ شوگر

آنا بند ہو گئی ہے گویا ان دنوں میری مردانہ شوگر فیکٹری" بند ہے۔

اپنے سینما دیکھنے کے اصول کے بارے میں ایک بار لکھتے ہیں۔

"میں سینما بہت کم دیکھتا ہوں اور میرا اصول یہ ہے کہ ایک وقت میں ایک گناہ کروں۔

مولوی گل شیر خان۔ کہا ہے کہ سینما دیکھنا گناہ ہے' پیر علی محمد راشدی نے کہا ہے کہ اخلاق

بگاڑتا ہے عریاں تصویریں دیکھ کر۔ میں مانتا ہوں کہ یہ گناہ ہے لیکن میرے حال میں

پیسے خرچ کر کے سینما دیکھنا گناہ کبیرہ ہے' ایک تو سینما دیکھنے کا گناہ' دوسرے اسراف

کا گناہ' اسلئے اگر پاس مل جائے تو میں ایک گناہ کر لیتا ہوں' دوسرے گناہ یعنی اسراف

حمید

اور مولانا کی غیر معمولی طور پر گھنی داڑھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بات مکمل کر دی ـــــ اور کارڈن تھی"

ایک بار دہلی میں پاکستان کے اخبار نویسوں کا استقبال بڑے تپاک سے کیا گیا وہاں گوپی ناتھ امن نے ایک استقبالیہ نظم پڑھی جس میں ایک شعر تھا ـ

ہمارے گھر میں وہی دام لے کے آتے ہیں
اسیر دام محبت ہیں سارے دل والے

اس پر مجید لاہوری نے کہا "یا حال لائے پرائے شکاری"

جمہوری تقاضوں کی تعریف کرتے ہوئے مجید لاہوری لکھتے ہیں۔

" انگریز کے دور کو تو ہم خلاف جمہوریت کہتے تھے اور اس کے ہر عمل کو ظلم و تشدد قرار دیتے تھے، مگر آج کے دور میں

دفعہ ۱۴۴ لگتی ہے ـــــ تو ـــــ جمہوری تقاضوں کیلئے
گولی چلتی ہے ـــــ تو ـــــ جمہوری تقاضوں کیلئے
لاٹھی چارج ہوتا ہے ـــــ تو ـــــ جمہوری تقاضوں کیلئے
سیفٹی ایکٹ لگتا ہے ـــــ تو ـــــ جمہوری تقاضوں کیلئے
مارشل لا لگتا ہے ـــــ تو ـــــ جمہوری تقاضوں کیلئے

اور دوسری طرف ان تمام اقدامات کی مخالفت اور شہری آزادی کی حمایت ہوتی ہے، تو جمہوری تقاضوں کے لیے، غرضیکہ ہمارا چلنا پھرنا کھانا پینا سونا جاگنا، اُٹھنا بیٹھنا اوڑھنا بچھونا سب جمہوری تقاضوں کیلئے ہے، دوسری طرف جمہور کی

مجید لاہوری

ایک نوجوان شاعر نے لاہور کے ایک مشاعرے میں حضرت مجید لاہوری سے متعارف ہوتے ہوئے درخواست کی "حضرت اپنا پتا تو دیجئے تاکہ جب کبھی کراچی آنا ہو تو ملاقات سے محروم نہ رہوں"

مجید لاہوری مرحوم بڑی سنجیدگی سے بولے نوٹ کر لیجئے۔

"ارشاد" شاعر نے اپنی ڈائری کھولی۔

"شاعر نمبر ایک ہزار تین سو چالیس" مجید لاہوری نے جواب دیا



تقسیم ملک کے بعد ہندو پاک مشاعرے میں شریک ہونے کیلئے جب مجید لاہوری پہلی بار دلی گئے تو وہاں کے شاعر دوستوں نے بہایت گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا ایک حاکم قسم کے شاعر نے پیش کش کی۔

"مجید صاحب! اگر آپ فرمائیں تو کل اپنی گاڑی میں بٹھا کر آپ کو یہاں کا لال قلعہ اور ... دکھلا دوں"

مجید صاحب اس وقت مسرت کے عالم میں تھے قریب ہی کھڑے ہوئے ایک شاعر مولانا بسمل شاہجہانپوری کے شانے پر اپنا بھاری بھرکم ہاتھ رکھتے ہوئے بولے "تمہارا لعل گارڈن تو میں نے یہیں دیکھ لیا ہے میرے بھائی! اس مولوی کو دیکھو ظالم لعل بھی ہے"

" اے خدا کی مار تجھ مادہ گو، لعنت لعنتے پہ، ایسے بالا نہیں پڑا کبھی مجھ جیسے آدمی سے، مشاورہ پٹائی کروں گا کہ دماغ کے چودہ طبق روشن ہو جائیں گے"

اور جب ایک صاحب نے عاشق صاحب سے اصل بات دریافت کی تو دیکھتے ہوئے بولے " اجی، اس کم بخت کل کے چھوکرے نے مجھے موقوف سمجھ رکھا ہے میں ابھی ابھی لاہور سے آ رہا ہوں، قسم قرآن شریف کی وہاں کسی سپاہی کے جسم پر برف کا کوٹ نہیں تھا، آپ ہی کہیئے میں کوئی دیوانہ ہوں، پاگل ہوں، سڑی ہوں، سودائی ہوں، جو اس ناتونی نے مجھے یوں پریشان کیا ——"

اور اس نوجوان کے دوستوں میں سے ایک نے ہنستے ہوئے کہا

" نہیں نہیں عاشق صاحب، آپ تو خدا کے فضل سے نہایت ہوش مند انسان ہیں، جوانی تو اس سعادت حسن منٹو کے دماغ میں ہے جو ایسی باتیں کرتا ہے"

" اجی چھوڑیے اس بیہودہ ماتھ اتنک کی بات، آپ بھی کس دور کی کا ذکر لے بیٹھے مجھے کل نے ملیا، جیسے اچھے یاد آیا" اور اس تمہید کے بعد عشو نے کہنا شروع کیا۔

"کم بخت نے ایک بلی پال رکھی ہے جی ہاں بلی! صبح سویرے ہی اسے اڑوس پڑوس کے گھروں میں بھیج دیتے ہیں، اور وہ تسطو گڑھی بھی کہیں نہ کہیں سے آنکھ بچا کر دودھ پی کر جب واپس آتی ہے تو اشک صاحب اسے الٹا لٹکا کر اس کے پیٹ سے سب دودھ باہر نکال لیتے ہیں اور پھر اسی دودھ سے چائے بنا کر پیتے ہیں، جی ہاں بالکل سچ کہہ رہا ہوں، رتی بھر مبالغہ نہیں، نہیں صاحب، شمسی ساقی، نہیں آنکھوں دیکھی بات ہے میں خود ان کے ہاں اس دودھ کی چائے پی چکا ہوں۔"

بجلی کی استریاں، بجلی کے پنکھے، ارے بھائی سائنس کی شعبدہ کاریوں کی کوئی حد ہے؟ ابھی تو برف کے کوٹ ہی بنے ہیں، ذرا آگے آگے دیکھئے۔"

اور عاشق نے مجسم سوال بنتے ہوئے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

"میرا دماغ تو تسلیم نہیں کرتا، ایسے میاں کبھی برف کے کوٹ بھی سل سکتے ہیں؟ کیسی بے تکی ہانک رہے ہو؟"

"اجی قبلہ و کعبہ عاشق صاحب ـــ" وہ نہایت اعتماد اور یقین سے بولنے لگا ـــ سائنس کے اتنے بڑے تلاطم خیز طوفاں کے سامنے آپ کے اس بھولے بھالے اور چھوٹے سے دماغ کی کیا حیثیت ہے؟ آپ فرما رہے ہیں برف کے کوٹ سل کیونکر سکتے ہیں اور آپ کے سائنسدانوں نے سی کر بھی دکھا دیئے بزرگوار! میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں ایسے کوٹ، لاہور کے چوراہوں پر جگہ جگہ ٹریفک کے سپاہیوں نے بڑے ٹھاٹ سے انہیں پہن رکھا تھا۔"

اور پھر وہ نوجوان عاشق صاحب کے دل و دماغ کو حیرت کے سمندر میں غوطہ زن چھوڑ کر دوستوں کے ساتھ دوسرے موضوعات پر گفتگو کرنے لگا۔

دوسرے روز وہ نوجوان حسب معمول اپنے ساتھیوں کے ساتھ امرتسر کے اس ہوٹل میں داخل ہوا تو ایک میز پر سے عاشق صاحب کسی شکرے کی طرح اس پر جھپٹے اور بغیر کچھ کہے سنے اس پر پل پڑے۔

پلک جھپکتے ہی دونوں کی قمیصیں پھٹ چکی تھیں ایک کے منہ اور دوسرے کی ناک سے خون بہہ رہا تھا ہوٹل میں اک ہنگامہ سا مچ گیا لوگوں نے بڑی مشکل سے دونوں کو چھڑایا تو عاشق صاحب دانت پیس پیس کر کہنے لگے۔

کر جو پیسے دے گا وہ تمہیں سگریٹوں کے لیے دمڑی دوں گا اسی سی بات نہیں سمجھے۔
— مدلشیف نہیں تو اور کیا ہو — ؟

" دیکھو! ابھی تمہیں ایک پُرلطف کھیل دکھاتا ہوں"
ہوٹل میں بیٹھے ہوئے ایک دُبلے پتلے سے نوجوان نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور پھر دوسرے ہی لمحے اندر آنے والے ایک شخص کو پکارتا ہوا بولا۔
" آہا! عاشق صاحب! آئیے آئیے حضرت! تشریف لائیے!
کیسے مزاج ہیں، فرمایئے کیا پیجیئے گا — چائے، اے بھائی ایک کپ چائے اور بھیج دینا۔"
اور کچھ دیر بعد عاشق صاحب ان کے دوستوں میں بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے، تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ وہی نوجوان اپنے دوستوں سے جھک جھک کر باتیں کرنے لگا۔
" یارو! لاہور کی کیا بات ہے جس نے لاہور نہیں دیکھا واقعی وہ پیدا ہی نہیں ہوا" اور وہ اپنے مخصوص انداز میں لاہور کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے لگا — ارے میاں! اور تو اور لاہور میں حکومت نے ٹریفک کے سپاہیوں کو اب برف کے کوٹ مہیا کر دیے ہیں!"
" برف کے کوٹ —"
عاشق نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے پوچھا۔
" جی ہاں! برف کے کوٹ! آپ حیران کیوں ہو رہے ہیں عاشق صاحب! حضور! یہ سائنس کا دَور ہے سائنس کا' ریڈیو' ہوائی جہاز' سینما' بجلی کے چولہے

کیا ہے، "سالا صبح سے غائب ہے، مجھے خود پیسوں کی سخت ضرورت ہے، پچھلے مہینے کی پوری تنخواہ بھی کم بخت نے ابھی تک نہیں دی، بدنصیبی کی انتہا ہے کہ پنواڑی تک نے ادھار دینا بند کر دیا ہے اس لئے صبح سے سڑیلوں سے کام چلا رہا ہوں، سگرٹ تک کے لئے پیسے نہیں ہیں

اس پر سہ اسی جھلاہٹ کا مظاہرہ انہوں نے خاموشی سے کیا چند لمحے کچھ سوچتے رہے اور پھر دوڑ کر باہر نکل آئے، ان کے پیچھے پیچھے ایڈیٹر بھی آگیا

باہر تانگے والے کا نشان تک نہ تھا، دو تین بار زور زور سے آوازیں دینے کے بعد جب منٹو نے دیکھا کہ وہ 'مردِ ہوشیار' نو دو گیارہ ہو چکا ہے تو وہ کسی انجانی مسرت کے احساس سے مسکرا دیئے اور ایڈیٹر سے مخاطب ہو کر کہنے لگے

'تم نے سچ کہا تھا خدا، واقعی تم بدنصیب آدمی ہو اور تم جیسے بدنصیبوں کو سگرٹوں کی جگہ بیڑیاں ہی پینی چاہئیں

" جی ہاں، جی ہاں " اور اس کے بعد ایک دم اس ایڈیٹر نے چونکتے ہوئے پوچھا— 'کیوں —— وہ کیوں منٹو صاحب؟'

اور منٹو صاحب نے اسے بتایا کہ کس طرح وہ اپنی تمام پونجی مبلغ پانچ روپے نوٹ کی صورت میں مانگنے والے کو دے کر آئے تھے، اور وہ ریزگاری کے بہانے نوٹ ہی پر ہاتھ صاف کر گیا۔

تو بدنصیب تو آپ ہوئے حضرت ——"

ایڈیٹر کے چہرے کی زردی سے بھی ہلکی ہلکی مسکراہٹ جھانکنے لگی۔

'نہیں، لوگس آدمی ہو، الٹے میاں! میں نے سوچا تھا کہ تانگہ والا کرایہ کاٹ

ایک خالی تانگے کی پچھلی سیٹ پر سم درار ہو گئے۔
"کہاں جانا ہے صاحب؟"
"انار کلی"
اور تانگا چلنے لگا راستے میں عینک کے موٹے موٹے شیشوں کے پیچھے سے ان کی مضطرب آنکھیں ہر راہ چلتے کو دیکھ رہی تھیں؛ دفعتاً ان میں چمک پیدا ہوئی اور تانگہ رکوا دیا گیا
ایک پبلشر سے راہ ہی میں ملاقات ہو گئی لیکن اس کے پاس سے پانچ کے نوٹ کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آسکا۔
تانگہ پھر سے چلنے لگا اور آخر ایک رسالے کے دفتر کے سامنے جا رُکا۔ انہوں نے اُتر کر پانچ کا نوٹ کوچوان کے ہاتھ میں تھما دیا
"صاحب ریزگاری نہیں ہے" کوچوان نے کہا
"رکھ لو اسے ۔ جس سامنے دفتر میں جا رہا ہوں، باقی پیسے وہیں پہنچا دینا" اتنا کہہ کر وہ لپک کر دفتر میں داخل ہو گئے۔
"آئیے آئیے، قبلہ منٹو صاحب، ایک مسحی سے نوجوان نے اُٹھ کر خیر مقدم کیا۔
اور منٹو نے کوٹ سے اپنی جیب سے کہانی کا مسودہ نکالتے ہوئے کہا،
"لو میری جان تمہارے رسالے کے لیے بڑی سٹ ٹلا کہانی لکھی ہے لیکن اس کے معاوضے کی مجھے فوراً ضرورت ہے کہاں ہے وہ فراڈ اعظم تمہارا آقا تے محترم!
"اس کی کیا پوچھتے ہیں آپ منٹو صاحب، نوجوان نے ٹملاتے ہوئے کہنا شروع

"لیکن مجھے کوئی فرق نہیں پڑا"

میجر حیراں سا ہو کر انہیں دیکھنے لگا

اور جب منٹو اپنے دوستوں کے ساتھ باہر جانے لگے تو انہوں نے میجر کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"میجر صاحب، پچھلی مرتبہ جب آپ کی بلیٹس ٹوٹی تھیں تو آپ اپنے کھانے پینے کے اخراجات کے علاوہ کرا کری کے تیس چار روپے چارج کرتے تھے اور آج جب آپ کی پلیٹیں ٹوٹی ہیں تو مجھے دس روپے آپ کو ادا کرنے کی بجائے یہاں آنے سے پہلے ایک سیپرے کو دینے پڑے ہیں"

"سپیرے کو ____ ؟" میجر نے ہکا بکا ہو کر پوچھا۔

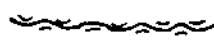
"جی ہاں اس سانپ کو آپ لوگوں نے مار دیا ہے میں اسے تیس روپوں میں خرید کر یہاں لایا تھا"



کسی نے منٹو صاحب سے پوچھا

"منٹو صاحب، پچھلی مرتبہ جب آپ ملے تھے تو آپ نے یہ حال کر کے مسرت ہوئی تھی کہ آپ نے شراب سے توبہ کر لی ہے ____ لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج آپ پھر پیے ہوئے ہیں"

"بجا ارشاد فرمایا، فرق صرف اتنا ہے کہ اُس دن آپ خوش تھے اور آج میں خوش ہوں"



کہانی مکمل ہو گئی تو مسودہ جیب میں ڈال کر وہ گھر سے باہر نکلے اور حسب عادت

" جی ہاں! ـــــ اور اصول بھی یہی ہے" منیجر نے نہایت متانت سے جواب دیا ـــــ " اچھی بات"

اور یہ کہہ کر مٹھو صاحب خاموشی سے بل ادا کر کے چل دیے

تقریباً ایک مہینے بعد وہ اسی ہوٹل میں پھر سے موجود تھے ان کے احباب اس لمحے کا انتظار کر رہے تھے، جب وہ ایک دم بہک جائیں گے لیکن وہ تو بہکنے کی بجائے ایک دم چلا اٹھے

" سانپ ـــ ارے سانپ!"

ان کی چیخ و پکار سن کر ہال کی جامد فضا میں کھلبلی کی ایک لہر دوڑ گئی اور پھر سانپ کو دیکھ کر وہ ہنگامہ ہوا کہ خدا کی پناہ! سراسیمہ ہو کر کھانے والوں نے کرسیاں اور میزیں اوندھی کر دیں، اس اثنا میں کھانے کی کئی پلیٹیں اور گلاس اس افراتفری کی نذر ہو گئے۔

جب سانپ مارا جا چکا اور قدرے سکون ہوا تو مٹھو نے سرے سے بل طلب کیا اور پھر بل کو دیکھتے ہی منیجر کو بلایا، منیجر کے سپاٹ چہرے پر نظر پڑتے ہی ان کی آنکھوں میں مخصوص دباب چمکنے لگی۔

" آج آپ نے بل میں ٹوٹے ہوئے گلاسوں اور پلیٹوں کی قیمت شامل کیوں نہیں کی؟"

اور اس سوال پر منیجر نے کچھ اور زیادہ متانت سے جواب دیا

" وہ تو سانپ کی وجہ سے ٹوٹی ہیں جناب، اس میں کسٹمروں کا کیا قصور؟"

" لیکن قبلہ منیجر صاحب! یہ آپ کے اصول کے منافی ہے" انہوں نے مسکراتے ہوئے فقرہ کسا اور پھر بٹوے میں سے کچھ نوٹ نکال کر منیجر کے حوالے کرتے ہوئے کہنے لگے۔

لیے کہ وہاں برآمدے میں مڈگارڈوں کے بغیر ایک سائیکل دیکھ کر لحہ بھر کیلئے رُک گئے اور پھر دوسرے ہی لمحے ان کی بڑی بڑی آنکھوں میں مسکراہٹ کی ایک چمکیلی سی لہر دوڑ گئی اور وہ چیخ چیخ کر کہنے لگے۔

' راشد صاحب احباب راشد صاحب! ذرا جلدی سے باہر تشریف لایئے"
شور سُن کر ن م راشد کے علاوہ کرشن چندر، اوپندر ناتھ اشک اور ریڈیو سٹیشن کے دوسرے کارکن بھی ان کے گرد آ جمع ہوئے۔

" راشد صاحب! آپ دیکھ رہے ہیں یہ کیا ہے؟" منٹو نے اشارہ کرتے ہوئے کہا "بغیر مڈگارڈوں کی سائیکل، خدا کی قسم سائیکل نہیں بلکہ حقیقت میں آپ کی کوئی نظم ہے"

ایک بار ہوٹل میں بیٹھے ہوئے منٹو صاحب نے مدہوشی کے عالم میں کئی گلاسوں اور پلیٹوں کو توڑ دیا لیکن بیرا بل لکھ آیا تو ان کی آنکھوں میں وہ بات عود کر آئی "اس بل میں ٹوٹے ہوئے گلاسوں اور پلیٹوں کی قیمت کیوں شامل کی گئی ہے؟'
انہوں نے بیرے سے پوچھا۔

" صاحب یہاں کا دستور یہی ہے"

' دستور کے بچے! ملاؤ منیجر کو" انہوں نے غراتے ہوئے بیرے کو ڈانٹا اور جب منیجر آیا تو اس سے بہت سنجیدگی کے ساتھ پوچھنے لگے۔

" کیوں صاحب! آپ کی بار میں جو گلاس یا پلیٹیں ٹوٹ جاتی ہیں ان کی قیمت بھی آپ اپنے گاہکوں ہی سے وصول کرتے ہیں؟

انہوں نے بلند آواز کے ساتھ قاسمی صاحب سے کچھ پیسے مانگے بخشی صاحب نے منٹو کی طرف متوجہ کرتے ہوئے نہایت انکسار سے کہا۔

"منٹو صاحب! میں نے ایک ناول لکھا ہے۔ قاسمی صاحب کو سنا رہا ہوں بیٹھئے! آپ بھی سنیئے؟"

منٹو نے کھڑے کھڑے تلملاتے ہوئے جواب دیا

"لاحول ولا۔ میں اور تمہارا ناول سنوں، تم بھی عجب بولی انسان ہو کیا مجھے بھی قاسمی کی طرح کوئی بزدل اور شریف آدمی سمجھ لیا ہے؟"

منٹو جب کچھ روز پاگل خانہ میں رہ کر آئے تو یار دوست مزاج پرسی کیلئے اُن کے ہاں آئے منٹو نے بہت حسرت سے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"سالو! چھوٹے پاگل خانہ سے نکل کر بڑے پاگل خانہ میں آگیا ہوں۔"

جگر مراد آبادی لاہور تشریف لائے تو کچھ مقامی ادیب و شاعر سار حاصل کرنے کیلئے اُنکی قیام گاہ تک پہنچے جگر نہایت اخلاص اور تپاک سے ہر ایک کا خیر مقدم کر رہے تھے کہ اسے میں سعادت حسن منٹو نے آگے بڑھ کر جگر صاحب سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"قبلہ! اگر آپ مراد آبا کے جگر ہیں تو یہ خاکسار لاہور کا گُردہ ہے۔"

ایک روز منٹو صاحب بڑی تیزی سے ریڈیو سٹیشن کی عمارت میں داخل ہوئے

سعادت حسن منٹو

منٹو کی بذلہ سنجی اور ظرافت کے سیکڑوں واقعات زبان زدِ عام ہیں، جب منٹو کے افسانہ "ٹو" پر کچھ "بااخلاق" لوگ بدک اُٹھے اور معاملہ عدالت تک جا پہنچا تو ایک ادیب نے منٹو سے کہا۔

' لاہور کے کچھ سرکردہ بھنگیوں نے اربابِ عدالت سے شکایت کی ہے کہ آپ نے ایک افسانہ "ٹو" لکھا ہے جس کی "بدبو" دُور دُور تک پھیل گئی ہے "

منٹو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

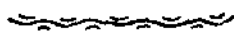
" کوئی بات نہیں، میں ایک افسانہ "فینائل" لکھ کر ان کی شکایت دفع کر دوں گا"



منٹو صاحب سے جب احمد ندیم قاسمی کا کیریکٹر سکیچ لکھنے کی فرمائش کی گئی تو وہ اُداس ہوکر نہایت بجھے بجھے لہجہ میں کہنے لگے۔

" قاسمی کا سکیچ ـــــ وہ بھی کوئی آدمی ہے جتنے جی چاہو سیاہ کر ڈالو لیکن بار بار مجھے یہی جملہ لکھنا پڑے گا ـــــ

" قاسمی بہت شریف آدمی ہے "



اسی طرح ایک بار عبدالمجید بھٹی احمد ندیم قاسمی کے مکان پر انہیں اپنے نئے ناول کا مسودہ سنا رہے تھے کہ راستے میں وہاں منٹو صاحب آ گئے اور آتے ہی

مسعود اختر جمال اور مختار گورکھپور کے اردو بازار سے گذر رہے تھے کہ ان کی
نظر ایک دکان کے شوکیس میں رکھے ہوئے بہت بڑے اور بڑھیا قسم کے جوتے پر
پڑی۔ جمال نے مختار سے پوچھا
مختار! کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس کا دوسرا جوتا کہاں ہے؟
" مختار نے اپنی مخمور نگاہوں سے جوتے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا
" تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ اللہ میاں نے دنیا والوں کی عبرت کے لیے ایک
جوتا تو یہاں بھیج دیا ہے اور دوسرا عاقبت میں کھسک رہا ہے جو تمہیں انشاء اللہ
قیامت کے دن نظر آئے گا۔"

[illegible] بات یہ ہے کہ میں کسی [illegible] سے شادی کرنا چاہتا ہوں"

"آپ کسی سے بھی شادی کیجیے" مجاز نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیتے

[illegible] ہوئے کہا ــــــ "ورنہ تو وہ بیچاری بوڑھی ہو جائے گی"

جوش نے مجاز سے پوچھا۔

"مجاز، کیا تمہارے والدین تمہاری روزانہ بد اعتدالیوں سے پریشان نہیں ہوتے؟"

"لوگوں کی اولاد سعادت مند ہوتی ہے جوش صاحب ــــــ"

مجاز نے جواب دیا ــــ "لیکن خوش قسمتی سے میرے والدین سعادت مند ہیں"

کانپور میں سرکاری طور پر شراب نوشی کی ممانعت تھی کسی نے مجاز کو بتایا۔

"اس برسات میں کانپور میں فلڈ (سیلاب) آنے کا بہت خطرہ ہے"

مجاز نے طنزیہ انداز میں جواب دیا ــــ "اور ڈرائی (خشک) کرو؟"

ایک دعوت میں جب صاحب خانہ کا کمسن بچہ مسلسل کئی منٹوں تک

مجاز کو گھورنے کے بعد گنگنانے لگا تو کسی نے مجاز سے کہا

"مجاز صاحب، یہ بچہ بڑا ہو کر یا تو شاعر بنے گا یا ــــ"

اور مجاز صاحب نے گرہ لگاتے ہوئے جملہ مکمل کر دیا

"یا سردار جعفری"

کسی مشاعرے میں جب مجاز غزل سنا رہے تھے تو اچانک سامعین میں سے
ماؤں کی گود میں شیرخوار بچے زور زور سے چلانے لگا
مجاز اپنی غزل کا شعر ادھورا چھوڑتے ہوئے حیران ہو کر پوچھنے لگا ع
"نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا؟"

کسی مشاعرے میں ایک نوجوان شاعر غزل پڑھ رہے تھے جس کی ردیف تھی
"ستاروں سے کھیلا" "بہاروں سے کھیلا" وغیرہ وغیرہ۔
غزل سننے کے بعد مجاز نے کہا
"ویل پلیڈ (WELL PLAYED) مسٹر!"

مجاز اور فراق کے درمیان کافی سنجیدہ گفتگو ہو رہی تھی ایک دم فراق کا لہجہ
بدلا اور انھوں نے ہنستے ہوئے پوچھا
"مجاز! تم نے کباب بیچنے کیوں بند کر دیئے؟"
"آپ کے ہاں سے گوشت آنا جو بند ہو گیا؟"
مجاز نے اپنی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے فوراً جواب دیا۔

اُردو کے ایک نامور اور کہنہ مشق شاعر نے پریشان ہو کر کہا۔
"مجھے اب شادی کر لینی چاہیئے"
"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، ضرور کر لیجیے۔" مجاز نے مشورہ دیا۔

لکھنو کے کسی مشاعرے میں شریک ہونے کے لئے جب جوش ملیح آبادی کار لیکر وہاں پہنچے تو شاعرہ کا ہ کے گرث ہی پر مجاز خیر مقدم کے لئے موجود تھا۔
جوش صاحب کار سے نکلے تو مجاز نے نہایت سار مندی سے مصافحہ کیا اس کے بعد عرش ملسیانی بھی اسی کار سے باہر آئے تو مجاز بولا۔
" آہا ہا ' عرش بھی؟"
اتنے میں مولانا اسمٰعیل شاہجہانپوری نے بھی اپنا بھاری بھرکم اور مالیتیں و بردت چہرہ کار کی کھڑکی سے باہر نکالا تو مجاز نے کھلکھلاتے ہوئے اسی سانس میں جملہ مکمل کر دیا —' اور معلّیٰ بھی!"—



ایک بار ایک انتہائی شوخی اور طرّاری سے ایسا کلام پڑھنے والے شاعر کے ڈائس پر گر پڑنے' تو مجاز نے یہ منظر دیکھ کر بلند آواز سے کہا۔
' سنیے حضرات! قبلہ اُستاد صاحب خالص ربان کا شعر ارشاد فرمانے ہیں۔"



حیدرآباد دکن کے لوگ " قاف " کو " خ " بولتے ہیں کسی حیدرآبادی نے مجاز کو ایک دعوت پر مدعو کرتے ہوئے کہا۔
' مجاز صاحب! کل میری للاں عزیزہ کی تحریب (تقریب) ہے غریب خانہ پر تشریف لاسیے" — مجاز نے خوفزدہ ہو کر جواب دیا۔
" نہیں صاحب! مجھ سے یہ دردناک منظر نہیں دیکھا جائے گا۔"



" مختار صاحب کیا واقعی آپ کی عقل زائل ہوگئی تھی؟"
مختار نے سرد آہ بھرتے ہوئے جواب دیا
"یار در اصل تھی ہی کہاں، جو زائل ہوتی عقل ہوتی تو اس ملک میں شاعری کرتے"



ایک مشاعرے کے اہتمام پر حسب معمول ساغر نظامی کو اصل طے شدہ معاوضے سے کم رقم دی گئی اور اس کی رسید اس کے سامنے کی گئی تو وہ اسے دیکھتے ہی ایک دم پھٹ پڑے "میں اس رسید پر دستخط نہیں کرسکتا"
اسی وقت مختار وہاں آئے انہوں نے یہ جملہ سنا تو نہایت معصومیت سے منتظم کو مشورہ دینے لگے
" اگر دستخط نہیں کرسکتے تو ساغر صاحب سے انگوٹھا ہی لگوا لیجیے"



فراق گورکھپوری اپنی رباعیوں کا بارہ دوسرے شاعروں سے کرتے ہوئے کہہ رہے تھے
" کہنے کو تو رباعیاں جوش صاحب بھی کہتے ہیں لیکن وہ اس صنف سخن کا باقاعدہ اس کی حیثیت سے استعمال نہیں کرتے، در اصل وہ اپنی شاعری میں کام دلانے کیلئے دوسری چیزیں لکھتے لکھتے کبھی کبھی رباعیاں بھی لکھ دیتے ہیں اُن کی رباعیاں ایک لحاظ سے "چٹنی" ہیں اور میری رباعیاں ــــ"
" مختار نے فراق کی بات کاٹتے ہوئے کہا " ایک طرح سے مربّہ"



مگر صاحب، آپ نے تو ایک بار توبہ کی، میں سیکڑوں بار توبہ کر چکا ہوں"

مجاز کافی ہاؤس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک صاحب جو اُن سے زیادہ شناسا نہیں تھے اُن کے ساتھ والی کرسی پر آ بیٹھے، کافی کا آرڈر دے کر انہوں نے اپنی بے سُری آواز میں گنگنانا شروع کیا ؎

احمقوں کی کمی نہیں غالبؔ ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں

مجاز اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"ڈھونڈنے کی نوبت بھی کہاں آتی ہے حضرت، خود بخود تشریف لے آتے ہیں"

کسی جلسہ میں سردار جعفری اقبال کی شاعری پر تقریر کر رہے تھے، دوراں تقریر ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد جب انہوں نے یہ انکشاف کیا کہ اقبال دراصل اشتراکی نقطہ نظر کے شاعر تھے تو مجمع میں سے کوئی مرد مومن گلا پھاڑتے ہوئے بولا۔

"جعفری صاحب، آپ یہ کیا کفر فرما رہے ہیں شاعر مشرق اور اشتراکیت؟ ____ لاحول ولا قوۃ آپ ایسی خرافات سے اقبال کی روح کو تکلیف پہنچا رہے ہیں" ____ اور جلسہ کی پچھلی صفوں سے مجاز ایک پھلجھڑی کی طرح چھوٹتے ہوئے بولے ____ "حضرت، تکلیف تو درحقیقت آپ کی ایسی روح کو پہنچ رہی ہے جسے آپ غلطی سے اقبال کی سمجھ رہے ہیں"

مجاز جب رانچی کے شفاخانے سے کچھ ماہ بعد لوٹے تو کسی نے پوچھا۔

—

راجہ صاحب محمود آباد نے بہت پیار سے مجاز سے خطاب کرتے ہوئے کہا
" مجاز اگر تم ماں لو تو ایک بات کہوں "
مجاز سراپا انکسار بنتے ہوئے بولا " آپ کا حکم سر آنکھوں پر فرمایئے
راجہ صاحب کیا ارشاد ہے ؟
" میں چاہتا ہوں تمہارے لئے دو سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دوں "
" بڑا کرم ہے حضور کا ــــ "
مجاز نے پھر اسی منکسرانہ لہجے میں جواب دیا
" لیکن ــــ " راجہ صاحب قدرے سنجیدگی سے بولے ۔
" لیکن تم خدا کے لیے شراب پینا چھوڑ دو "
" شراب پینا چھوڑ دوں ــــ ؟ مجاز نے نہایت حیرانی اور بیچارگی سے راجہ صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ۔
" پھر آپ کے دو سو روپے ہر ماہ سرے کس کام آیا کریں گے ؟



جگر مراد آبادی نے نہایت ہمدردانہ انداز میں شراب کی خرابیاں بیان کرتے ہوئے مجاز سے کہا ۔
" مجاز ! شراب واقعی خانہ خراب ہے ہم کے ہم بڈھاپے کے بعد انجام کار مجھے تو یہ کرنی پڑی میں تو دعا کرتا ہوں کہ خدا تمہیں توفیق دے کہ تم بھی کسی طرح توبہ کر سکو "
مجاز یہ سن کر نہایت معصومیت سے کہنے لگا

اثر لکھنوی صاحب نے مجاز کے بارے میں کہا ہے کہ۔

"مجاز اُردو شاعری کا کیٹس تھا جسے ترقی پسند بھیڑیے اُٹھا کر لے گئے"

اس کے متعلق مجاز سے کسی نے پوچھا "آپ کی اثر لکھنوی کے بارے میں کیا رائے ہے مجاز بھائی؟"

مجاز نے جو فردہ سے لہجے میں جواب دیا۔

"ایک ایٹم بم تھا جو ہیروشیما پر گرا تھا، اور دوسرے اثر لکھنوی ہیں۔ جو ہماشما پر گرے ہیں"

مجاز اپنی سم دیوانگی کی حالت میں ایک بار کسی مجلس وعظ میں پہنچ گئے، وہاں کے کسی جاننے والے نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا

حضرت مجاز، آپ اور یہاں؟

جی ہاں ـــ مجاز نے بہت سنجیدگی سے جواب دیا۔

"آدمی کو بگڑتے کیا دیر لگتی ہے بھائی"

ایک مشاعرے میں مجاز جب اپنی ہم ہیجوتی کے عالم میں بھی اپنی نظم ـــ

ڈول اری او دھرتی ڈول راج سنگھاسن ڈانواں ڈول

بڑی کامیابی کے ساتھ پڑھ چکے تو جس راج رہبر نے چھیڑتے ہوئے کہا

"مجاز بھائی! کیا یہ نظم آپ نے شراب پی کر کہی تھی ـــــ؟"

"ملک کہنے کے بعد بھی پی تھی ـــ" مجاز نے ترکی بہ ترکی جواب دیا

میں نے ایک دن آکر جدلی صاحب سے چائے کی درخواست کی
جدلی نے کہا "بھئی ابھی چلتا ہوں ذرا ناشتہ کھالوں"
اور غالب اسی بات سے ہی ایک دم سنجیدہ ہو کر کہنے لگے
"جدلی! اس ناشتے کے صدمے کو اقبال ایسے ہاں یوں نظم کرتا ہے ع
جیسے تمام ناشتہ پینے لگا!

اور اختر شیرانی کا مصرعہ ہوتا ع
ناشتہ جو رنگ سلمیٰ میں بکھر جاتا ہے

اور جوش یوں کہتے ع
ناشتہ کھا کر وہ شاہِ کج کلاہاں آگیا

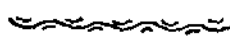
اور فراق یہ انداز اختیار کرتے ع
ٹپک رہا ہے دھندلکوں سے ناشتہ کم کم

اور فیض احمد فیض لکھتا ؎
تری انگشت حنائی میں اگر ناشتہ آئے
ان گنت ذائقے کے یلغار کریں مثل رقیب

اور میں خود یوں نظم کرتا ؎
بے شک دیگ جیسوں ناشتہ کی جاتی ہو
میری ہمدم جوانی کی توانائی ہو

اور تمہیں تو واقعی یہی کہنا چاہئے تھا۔ ع
ابھی چلتا ہوں ذرا ناشتہ کھالوں تو چلوں

جوش نے مسکراتی ہوئی نظروں سے فراق کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے جواب دیا
"اور اس حساب سے ـــــ" مجاز نہایت معصومیت سے جوش اور فراق کو متوجہ
کرتے ہوئے بولا "اور اس حساب سے تو میں ابھی پیدا ہی نہیں ہوا"



ریاست ٹونک میں ایک مشاعرہ ہو رہا تھا
مقامی شعرا کو پڑھوانے کے لئے ناظم کو ہر بار یہی اعلان کرنا پڑ رہا تھا کہ اب فلاں
ٹونکوی صاحب اور اب فلاں ٹونکوی صاحب اپنے کلام بلاغت نظام سے آپ کو
محظوظ فرمائیں گے۔
مجاز نے کچھ دیر تک برداشت کرنے کے بعد جھنجھلا کے کہا
"یہ مشاعرہ ہے یا ٹوشکی؟"



فیض صاحب نے جب ایلس سے شادی کی تو ایک روز انہوں نے از راہ مذاق
کہا "یار مجاز! میری شادی ہو گئی لیکن تم نے میرے لئے کوئی سہرا وہرا تو لکھا ہی
نہیں" ـــــ "کیونکر لکھتا پیارے؟" مجاز نے جواب دیا۔
"فیض کا لے دے کے ایک ہی تو قافیہ (حیض) ہے اور وہ بھی تم اندازہ کر سکتے
ہو کہ کس قدر ناپاک ہے"



ایک مشاعرے میں دعوت خورد و نوش کا اہتمام تھا، دیگر شعرا تو کھانے سے
فارغ ہو کر پنڈال میں پہنچ رہے تھے لیکن مجاز اور جذبی ابھی مصروف تھے۔ منتظمین

" اس کا مطلب یہ ہو گا کہ جب کسی مشاعرہ میں آپ شعر سنانے کے لیے کھڑے ہوں گے تو لوگ کہیں گے، شعر نہیں اپنے لطیفے سنایے '

" تو میں ان سے کہوں گا " مجاز نے معصومانہ پیش کرتے ہوئے سادگی سے کہا کہ " شاعری بھی تو میرے لطیفوں میں سے ہے "



جن دنوں مجاز صاحب آل انڈیا ریڈیو کے ملازموں میں سے تھے ایک بار احتشام حسین کو ریڈیو سٹیشن لکھنؤ کی بلڈنگ میں ملے تو انہوں نے مجاز سے پوچھا

ارے مجاز! تم یہاں کیسے ؟

مجاز نے رونی صورت بنا کر جواب دیا

" جی یونہی میں آرٹ اور آرٹسٹ کبھی کبھار ادھر آ نکلتا ہوں "



جوش، فراق اور مجاز تینوں کہیں ہم پیالہ تھے۔

جوش نے تیسرا پیگ پینے کے بعد اپنے مخصوص انقلابی جلال میں آتے ہوئے کہا

' ماشاء اللہ ہم ابھی تک جوان ہیں، ہماری عمر پچیس تیس سال کے لگ بھگ ہو گی کیوں فراق ؟ '

" بے شک "

فراق نے پُر زور تائید کرتے ہوئے کہا۔

" ظاہری شباہت سے قطع نظر میں بھی اٹھارہ بیس سال سے زیادہ عمر کا نہیں ہوں ۔۔۔ ' جی ہاں جی ہاں "

انگریزی اور فرانسیسی رسال میں ترجمہ کی جائے گی اور پھر ـــــ"

"اور پھر؟ ـــــ"

اور پھر ـــــ" مجاز نے مسکراتے ہوئے کہا " اور پھر میں ان رسالوں سے تمہاری نظموں کا اُردو نظم میں ترجمہ کروں گا ـــــ اور پھر ساری دنیا کے ادب اور سارے نقاد تمہارے صحیح مرتبے اور تمہاری عظمت کو تسلیم کریں گے "

جوش ملیح آبادی بالعموم شراب پیتے وقت ٹائم پیس سامنے رکھ لیتے ہیں اور ہر سات منٹ بعد پیگ بناتے ہیں لیکن یہ پابندی بھی اکثر اوقات تیسرے چوتھے پیگ کی نذر ہو جاتی ہے

ایک صحبت میں انہوں نے پیگ پینے کے بعد ٹائم پیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجاز سے کہا " دیکھو مجاز! میں کتنی باقاعدگی سے پیتا ہوں اگر تم بھی گھڑی سامنے رکھ کر پیا کرو تو بے احتیاطی سے محفوظ رہو؟"

اور مجاز اسی وقت چہکتے ہوئے بولا۔
گھڑی تو کیا جوش صاحب میرا بس چلے تو گھڑا سامنے رکھ کر پیا کروں '

ایک بار کسی ادیب نے مجاز سے کہا۔
" مجاز صاحب! ادھر آپ نے شعروں سے زیادہ لطیفے کہنے شروع کر دیے ہیں؟"
" تو اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے؟"
اور وہ ادیب مجاز کے اس نامعقول سوال پر گھبرائے ہوئے کہنے لگے۔

"آپ سے ملیے! آپ ہیں اسرار الحق مجاز، اُردو کے بہت مشہور اور مقبول شاعر، وہ نظم "اے غمِ دل کیا کروں" انہی کی لکھی ہوئی ہے"

مجاز نے مدعو سے مخاطب ہو کر بہت سادگی سے کہا

"صاحب! آپ مطلقاً اس بات کا اعتبار نہ کیجیے، شاعر تو آپ ہی ہیں خاکسار تو اُلّو کا پٹھا ہے"

ہندو مسلم اتحاد پر ایک مشاعرہ ہو رہا تھا دوسرے شاعروں کے ساتھ جب مجاز مشاعرہ گاہ میں داخل ہونے لگے تو انہوں نے دیکھا وہاں دروازہ پہ لکھا ہوا تھا

"مذہب کے نام پر لڑنا حماقت ہے"

مجاز نے ایک لمحہ کے لیے اس عبارت پر نظر ڈالنے کے بعد کہا۔

"اور حماقت کے نام پر لڑنا مذہب ہے"

سلام مچھلی شہری نے بہت جذباتی ہوتے ہوئے اُداس لہجے میں مجاز سے کہا

"میں متواتر کئی سالوں سے شعر کہہ رہا ہوں اور یقیناً کئی مشہور شاعروں سے اچھے شعر کہے ہیں، اُردو شاعری میں بے شمار تجربے کر چکا ہوں، میرے متعدد منظوم شاہکار اُردو ادب میں ایک تاریخی اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود جب نقاد حضرات اُردو شاعروں کا جائزہ لیتے ہیں تو مجھے نظر انداز کر دیتے ہیں"

"تم کوئی غم نہ کرو ڈیر سلام!" مجاز نے اُسے ڈھارس دیتے ہوئے کہا

"تمہاری ایک ایک نظم ڈیڑھ ساحر کی ہمدل نہ بناؤں، مثلاً اُردو میں جیسی جاپانی

اسرار الحق مجاز

ایک مشہور شاعر نے مجاز سے پوچھا
"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے شعر کہنا کیوں چھوڑ دیا"
مجاز نے پریشاں سا ہو کر جواب دیا
"اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ برابر شعر کیوں کہے جا رہے ہیں"

عالم مدہوشی میں ایک صاحب ذوق خاتون کو اپنی شاعری کے بارے میں رائے دیتے ہوئے مجاز نے کہا "میں ڈکشن کا ماسٹر ہوں"
"تو پھر جوش ملیح آبادی کیا ہیں؟" اس خاتون نے محض دل لگی کی خاطر سوال کیا۔
"ڈکشنری کے ماسٹر!" مجاز نے جواب دیا۔

مجاز سے کسی نے کہا "حکومت ادیبوں کے لیے ایک علیحدہ کالونی بنا رہی ہے"
مجاز نے فکرمند ہو کر پوچھا "ڈسٹرکٹ جیل میں یا سنٹرل جیل میں؟"

کسی فلمی ادیب نے مہاکوی این ڈی مدھوک سے مجاز کا تعارف کراتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

جوش ملیح آبادی نے یہانی زبان کے الفاظ سے پرچ ہو کر کنور مہندر سنگھ بیدی سے کہا "کنور صاحب کیا آپ جانتے ہیں کہ دو روز کی سرکاری زبان بھی آپ کی یہانی ہو گی۔"
کنور صاحب نے برجستہ جواب دیا۔ "تو پھر جوش صاحب! آپکو ضرور سیکھ لینی چاہیئے۔"

کسی مشاعرہ میں کوثر قریشی اپنی غزل کا یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎
ترکِ انجمن یار ضروری ہے مگر
ہم بس سایۂ دیوار بہت اچھے ہیں
کنور مہندر سنگھ بیدی نے یہ شعر سنا تو کہنے لگے "بہت اچھی بات ہے کوثر صاحب! دھیان رکھیئے گا کہ وہ دیوار کہیں نئی دہلی کے ٹھیکیداروں کی بنائی ہوئی نہ ہو کیونکہ ایسی دیواریں بالعموم چار مہینے کے بعد گر جاتی ہیں۔"

ایک بار جوش مولانا قسم کے شاعر کسی مشاعرے میں کہہ رہے تھے
"جوش ایسے ملحد اور بے دین اور بے اصول آدمی کا ہندوستان سے پاکستان چلے جانا ہی بہتر تھا حسن کم جہاں پاک۔"
کسی دوسرے شاعر نے انہیں ٹوکتے ہوئے کہا۔
"جوش صاحب کے مستقل طور پر پاکستان چلے جانے سے تو یہاں حسن کی کمی واقع ہو گئی لیکن مولانا اگر آپ پاکستان ہجرت فرما جائیں تو ہندوستان میں کیا چیز کم ہو جائیگی؟"
"جائیداد"
کنور مہندر سنگھ بیدی سحر نے دونوں کی گفتگو سننے کے بعد نہایت برجستگی کے ساتھ کہا۔

کنور صاحب نے فرمایا " ان کو ڈبے کر بھی آپ کے پاس بہت پرکھ رہے گی "

کنور صاحب ایک مشاعرے میں شاعروں کا تعارف کروا رہے تھے' جب مولانا انور صابری کے پڑھنے کا نمبر آیا تو کنور صاحب نے فرمایا
" حضرات! آپ نے بارہ سنگھ کبر سنگھ وغیرہ کا نام تو سنا ہوگا مگر یہ دو سنگھ کا شاعر ہے جو آپ کے سامنے کلام سنانے آرہا ہے "

ہندوستان کے سابق ہوم منسٹر کیلاش ناتھ کاٹجو کی صدارت میں مشاعرہ ہو رہا تھا انور صابری جب سٹیج پر آئے تو کلام پڑھنے سے پہلے فرمانے لگے۔
" وقت وقت کی بات ہے' میں اب تک وہی شاعر کا شاعر ہوں اور کاٹجو صاحب وزیر بن گئے ہیں' حالانکہ انگریزوں کے دور حکومت میں ہم دونوں ایک ہی جیل میں رہ چکے ہیں۔" کنور صاحب نے ذرا کھلا چست کیا " لیکن جرائم جدا جدا تھے "

کنور صاحب جن دنوں دلّی کے سٹی مجسٹریٹ تھے ان کی عدالت میں چوری کے جرم میں گرفتار کئے گئے' ایک نوجوان کو پیش کیا گیا کنور صاحب نے نوجوان کی شکل دیکھتے ہوئے کہا۔
" میں ملزم کو ذاتی طور پر جانتا ہوں' ہتھکڑیاں کھول دو یہ بے چارا تو ایک شاعر ہے' شعر چرانے کے علاوہ کوئی اور چوری کرنا اسکے بس کا روگ نہیں "

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

ایک مختصر سی نشست میں کنور مہندر سنگھ بیدی اپنا کلام سنا رہے تھے۔ انہوں نے ایک غزل پڑھی، جس کے قافیہ میں "سود و زیاں" آتا تھا۔ ستد اچھا اچھا کر جناب شنکر پرشاد نے فرمایا۔

" یہ آپ نے سکھ ہوتے ہوئے بنیے والا قافیہ کیسے باندھ دیا "

ہند و پاکستان مشاعرہ میں کنور مہندر سنگھ بیدی غزل پڑھ رہے تھے ریش تھی، دانا ہو جیسے، خدا ہو جیسے، غزل کے مرے تعلی کے رنگ میں تھی، گویا مانتے ہیں کہ ادّ دے دئے کہاں ہو ع

ہے وہ انداز جوانی میں کہاں ہو جیسے

کنور صاحب نے تو دمل کر کہا "جناب میں اب بھی جوان ہوں"

بسمل شاہجہاں پوری ایک مشاعرے میں غزل پڑھ رہے تھے، حضرت جوش ملیح آبادی اور مہندر سنگھ بیدی بھی اس محفل میں موجود تھے۔ بسمل صاحب کا ایک شعر جوش صاحب کو بہت پسند آیا تو انہوں نے کہا۔ بھئی تم نے بہت اچھا شعر کہا ہے، اب بہت مذاق ہو چکا، یہ داڑھی اتار کر رکھ دو"

بسمل نے جواب دیا "میں اسے اتار دوں بشرطیکہ آپ لگا لیں"

صاحب، مجھے تو اس کی کتاب دیکھ کر تکلیف ہو رہی ہے دیکھئے ناؤ مشق کاتب نے اچھے بھلے شعروں کا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے۔"

چند ادب دوست حضرات اُردو کے ایک شاعر کی مدح سرائی کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔
"صاحب! ان کی کیا بات ہے، بہت بڑے شاعر ہیں اب تو حکومت کے خرچ سے یورپ بھی ہو آئے ہیں۔"
ہری چند اختر نے یہ بات سُنی تو نہایت متانت سے کہا "جناب اگر کسی دوسرے ملک میں جانے سے کوئی آدمی بڑا شاعر ہو جاتا ہے تو میرے والد ملکِ عدم جا چکے ہیں، لیکن خدا گواہ ہے، کبھی ایک شعر بھی موزوں نہیں کر سکے۔"

کسی مشاعرے میں نوح ناروی صاحب ایک غزل پڑھ رہے تھے، جس کی زمین تھی "حالات کیا کیا" "آفات کیا کیا"
جب وہ اپنے اس مخصوص انداز میں اپنے کسی شعر کا مصرعہ اولیٰ فرما رہے تھے
ع یہ دل ہے، یہ جگر ہے، یہ کلیجہ
تو ہری چند اختر جھٹ بول اُٹھے ع
قصائی لایا ہے سوغات کیا کیا

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

ایک مختصر سی نشست میں کنور مہندر سنگھ بیدی اپنا کلام سنا رہے تھے۔
انہوں نے ایک غزل پڑھی جس کے قافیہ میں "سود و زیاں" آتا تھا تو اچانک
گرجا شنکر پرشاد نے فرمایا۔
" یہ آپ نے سکھ ہوتے ہوئے بنیے والا قافیہ کیسے باندھ دیا "

ہندو پاکستان مشاعرہ میں کنور مہندر سنگھ بیدی غزل پڑھ رہے تھے
زمیں بھی' دنیا ہو جیسے' خدا ہو جیسے' غزل کمرے تغزل کے رنگ میں بھی گوپی ناتھ امن
نے ادھر سے دے دئے کہا مصرع ع
ہے وہ انداز جوانی میں کہا ہو جیسے
کنور صاحب نے فوراً بدل کر کہا جناب میں اب بھی جوان ہوں"

بسمل تما ہ حا یدری ایک مشاعرے میں غزل پڑھ رہے تھے' حضرت جوش ملیح
آبادی اور مہندر سنگھ بیدی بھی اس محفل میں موجود تھے بسمل صاحب کا ایک شعر
جوش صاحب کو بہت پسند آیا تو انہوں نے کہا- بھئی تم نے بہت اچھا شعر کہا ہے'
اب بہت مذاق ہو چکا' یہ داڑھی اتار کر رکھ دو"
بسمل نے جواب دیا "میں اسے اتار دوں بشرطیکہ آپ لگا لیں"

صاحب، مجھے تو اس کی کتاب دیکھ کر تکلیف ہو رہی ہے' دیکھئے نا دوست کا کتنے اچھے بھلے شعروں کا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے۔"

چند ادب دوست حضرات اُردو کے ایک شاعر کی مدح سرائی کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"صاحب! ان کی کیا بات ہے' بہت بڑے شاعر ہیں اب تو حکومت کے خرچ سے یورپ بھی ہو آئے ہیں۔"

ہری چند اختر نے یہ بات سُنی تو نہایت متانت سے کہا' "جناب اگر کسی دوسرے ملک میں جانے سے کوئی آدمی بڑا شاعر ہو جاتا ہے تو میرے والد ملک عدم جا چکے ہیں' لیکن خدا گواہ ہے' کبھی ایک شعر بھی موزوں نہیں کر سکے۔"

کسی مشاعرے میں نوح ناروی صاحب ایک غزل پڑھ رہے تھے' جس کی ردیف تھی "حالات کیا کیا" "آفات کیا کیا"

جب وہ اپنے مخصوص انداز میں اپنے کسی شعر کا مصرعہ اولیٰ فرما رہے تھے

ع یہ دل ہے' یہ جگر ہے' یہ کلیجہ

تو ہری چند اختر جھٹ بول اُٹھے ع

قصائی لایا ہے سوغات کیا کیا

ایک اور مشاعرے میں ایک صاحب اپنی غزل پڑھ رہے تھے سامعین میں کچھ عورتیں بھیں، جو شعر بھی سنی جاتی تھیں اور ایسا سویٹر بھی بُنتی جاتیں۔ جب غزل ختم ہوئی تو اختر صاحب نے فرمایا

'اس غزل خوانی کے دَوران چوتھائی سویٹر بن گیا۔'

پنڈت ہری چند اختر صاحب کا ایک دوست انھیں راستہ میں مل گیا اور کہنے لگا "پنڈت جی آپ کو دعوت نامہ تو مل گیا ہوگا، آئندہ ہفتہ میرے بڑے لڑکے کی شادی ہو رہی ہے، آج اس کے سہرے کی کتابت کروانے کے لیے یہاں آیا تھا اُسے چھپوانے کے لئے پریس جا رہا ہوں۔"

اختر صاحب نے کتابت شدہ سہرا اپنے دوست کے ہاتھ سے لیکر پڑھنا شروع کیا اور ایک دو ابتدائی شعر پڑھنے کے بعد ہی پھٹ پڑے۔

"کس اُلو کے پٹھے نے ان شعروں کو لکھا ہے؟"

اختر صاحب کا دوست محجوب سا ہو گیا اور ان کے ساتھ کھڑے ہوئے ایک منحنی سے نوجوان کا چہرہ کتاب کے کاغذ کی طرح پیلا پڑ گیا

"حضرت ان حضرت نے جنہوں نے سہرا لکھا ہے۔" اختر صاحب کے دوست نے کسی مجرم کی طرح پشیمان سے ہو کر اس نوجوان کی طرف اشارہ کیا۔

اس نوجوان کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر اختر صاحب کو اپنی صاف گوئی پر افسوس ہوا لیکن دوسرے ہی لمحے انھوں نے شاعر صاحب سے مصافحہ کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "خوب تو یہ سہرا آپ نے لکھا ہے، بہت اچھے شعر ہیں، جزاک اللہ لیکن

ہری چند اختر

پنڈت ہری چند اختر کسی مشاعرہ میں غزل پڑھ رہے تھے، سامعین سے اچانک ایک حضرت اٹھ کر ان کے ایک مصرعہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہنے لگے۔

"اختر صاحب، دوسرے مصرعہ میں الف گر گیا ہے"

"جھک کر کھڑا کر دیجئے"

اور اختر صاحب کا یہ جواب سن کر ان حضرات کو خفیف سا ہو کر بیٹھنا پڑا

ایک مشاعرے میں ایک بزرگ شاعر شعر سنانے تشریف لائے تو ان کے کلام سے زیادہ ان کے مضحکہ خیز حلیے نے حاضرین کو بہت متاثر کیا۔ چھوٹی سی سفید چمکدار داڑھی سر پر کھدر کی ڈھلی ہوئی ٹوپی اور جسم پر گہرے سرمئی رنگ کا لمبا سا چغہ کسی شخص نے پنڈت ہری چند اختر سے پوچھا،

"یہ بزرگ کون ہیں پنڈت جی؟"

اختر صاحب پہلے تو گھٹنوں پر چشمہ لگا کر ان حضرت کو غور سے دیکھتے رہے، پھر ایک دم چونک کر بولے۔

"شکل وصورت سے تو مولانا مائل کھنڈ دکھائی دیتے ہیں۔"

ایک صاحب مشاعرے میں اپنی غزل پڑھ رہے تھے، لوگ ان کا کلام سنتے سنتے تھک گئے تھے مگر وہ رکتے نہیں تھے، آخر جب غزل تمام ہوئی تو اختر صاحب جو نیم غنودگی کے عالم میں تھے چونک کر بولے

"ذرا وہ ۳۵ واں شعر پھر سے پڑھ دیجئے گا۔"

سالانہ امتحان میں مضمون کا موضوع تھا "اتفاق"

اُستاد نے طلباء کو بتا رکھا تھا کہ جب کسی چیز پر مضمون لکھنا ہو تو ان چیزوں کا
خیال رکھو (۱) تمہید - یعنی اس چیز کی وضاحت جس پر مضمون لکھنا ہو۔

(۲) فوائد - پھر اس کے فائدے بیان کرو

(۳) نقصانات - اور آخر میں اس کے نقصانات تحریر کرو

ایک طالب علم کو اُستاد کا یہ سبق حرف بحرف یاد تھا چنانچہ اس نے تمہید کے
طور پر اتفاق کی معنویت پر چند جملے تحریر کیے، پھر اس کے فائدے گنوائے اور مثال
کے طور پر بوڑھے اور اس کے بیٹوں کی وہ کہانی لکھ دی جس میں بوڑھا اتفاق کی
تلقین کرتے ہوئے بیٹوں کو تنکوں کا ایک گٹھا توڑنے کی ہدایت کرتا ہے
اور جب اتفاق کے نقصانات لکھنے کا سوال پیدا ہوا تو اس نوعمر مضمون نگار
کا قلم چند لمحوں کے لیے رُک گیا وہ سوچ میں پڑ گیا کہ کیا لکھے
آخر ایک دم اس کی تخلیقی رگ پھڑکی اور اس نے لکھنا شروع کیا۔
"جیسے ہر چیز کے فائدے اور نقصان ہوتے ہیں اسی طرح اتفاق کے بھی بعض
نقصانات ہوتے ہیں جیسے اتفاق سے دو موٹروں کی ٹکر ہو جاتی ہے یا اتفاق سے
ریل گاڑی پٹڑی سے اُتر جاتی ہے اور اس طرح اتفاق سے بعض دفعہ بہت ساجانی و
مالی نقصان ہو جاتا ہے"

اور اتفاق سے بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ کل کا وہ بچہ جس نے یہ مضمون تحریر کیا
تھا آج کا پنڈت سری چند اختر ہے۔

جوش صاحب کا رویہ بحث کے دوران میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ ع

مستند ہے میرا فرمایا ہُوا

مگر اختر صاحب بھی اس قبیل کے ادیب ہیں جب بحث نے طوالت پکڑی تو اختر صاحب نے فرمایا

" میں دلّی والوں کی زبان کو ماننے کو تیار ہوں میں لکھنؤ والوں کی زبان ماننے کو تیار ہوں لیکن میں ملیح آباد کے ماعناوں کی زبان نہیں مانتا "

ایک ہندو لالہ کی شادی میں مولانا عبدالمجید سالک مولانا غلام رسول مہر اور پنڈت سری چند اختر شریک تھے میزبان کی طرف سے پرتکلف وہسکو کھانے کے بعد جب ہر مہمان کو "حل حیرا" کا ایک گلاس پیش کیا گیا تو مہر صاحب نے متعجب ہو کر اختر صاحب سے کہا

" پنڈت جی ، یہ حل حیرا کیا چیز ہے ،

اختر صاحب کے جواب دینے سے پہلے ہی سالک صاحب کہنے لگے۔

" پی کبھی لے یار ! یہ ہندوؤں کا سوڈا واٹر ہے "

اور اختر صاحب دونوں کا منہ تکنے لگے

ایک بار اُردو ادب کے گرتے ہوئے معیار پر چند ادیبوں اور شاعروں میں بحث ہو رہی تھی اس محفل میں پنڈت سری چند اختر بھی موجود تھے، جب اُن سے اظہارِ خیال کے لیے کہا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس سے زیادہ ادب کا زوال اور کیا ہوگا کہ ہم جیسے چغد بھی اساتذہ میں شمار ہونے لگے

عرشؔ صاحب نے پوچھا' کیا بات ہے ؟"
نام لے کر کہنے لگے کہ فلاں صاحب کو پانچ سو روپیوں کی ضرورت ہے۔ انھوں نے
قرض مانگا ہے" عرشؔ صاحب نے فرمایا۔
" مگر یہ روپے آپ کو نہیں ملیں گے'
جواب دیا" روپیں بھی جانتا ہوں' اسی لئے آپ کے پاس آیا ہوں "

مالیر کوٹلہ کے ایک مشاعرہ میں پریم وار برٹنی جب مشاعرہ کے دوران سامعین کی
صفوں کو چیرتے ہوئے سٹیج کی طرف بڑھنے لگے تو وہ بُری طرح پیتے ہوئے تھے' پنڈت
ہری چند اختر نے کسی سے کہا" لیجئے ' وہ پریم وار برٹنی بھی آرہے ہیں '
اخترؔ نے پریم کے معصوم چہرے پر گہری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔
" آرہے ہیں ؟ یہ مردود تو سچ مچ مرد ہے۔ نام سے تو میں سمجھا تھا کوئی خاتون
ہوگی"

کسی مشاعرے میں ایک "حکیم شحیم اور ملاقہ" قسم کے شاعر غزل پڑھ رہے تھے اور
ہر شعر کو شروع کرنے سے پہلے کہتے۔" دیکھئے کس پائے کا شعر ہے "
جب وہ اس جملے کو تین بار دہرا چکے اور چوتھے شعر کی بسم اللہ پھر اسی الفاظ سے کی
تو ہری چند اختر ایک دم اپنی جگہ سے اُٹھ کر بولے
" چار پائے کا ؟"

جوش ملیح آبادی اور پنڈت ہری چند اختر کے درمیان رمال کے مسئلے پر بحث چھڑ گئی

پنڈت ہری چند اختر

کسی مشاعرے میں ایک شاعر اپنا یہ شعر سنا رہے تھے ۔

شرورت ہی کہاں تھی بادۂ گلرنگ کی لیکن
ہری لے المعانی مجھ کو مے خانہ میں لے آئی

شعر سننے کے بعد کسی نے ہری چند اختر سے پوچھا
"کیوں پنڈت جی ! یہ المعانی کیا چیز ہے ؟"
"التفات کی بیوی" اختر نے اسی لمحے انکشاف کیا

مولانا انور صابری بہت مقبول شاعر ہیں، ان کے آتے ہی لوگ ان کے کلام کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں، ایک مشاعرے میں جب وہ شعر پڑھنے کیلئے مائکروفون کے قریب آئے تو بہت سے فوٹو گرافر ان کا فوٹو لینے آگے بڑھے تو انہوں نے از راہ انکسار کہا: "مجھ بڈھے کا فوٹو کیا لیتے ہو، ذرا حسینوں کا فوٹو لو۔"

پنڈت ہری چند اختر پاس ہی موجود تھے، فوراً چہک کر بولے۔
"آپ کا فوٹو لے رہے ہیں، بچوں کو ڈرانے کے لئے ۔"

ایک بار اختر صاحب بہت گھبرائے ہوئے سے عرش ملسیانی کے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔ "مجھے ڈھائی سو روپے دیدو۔"

جوش صاحب کو اپنی پنشن نکلوانے کے لیے کسی اعلیٰ گزیٹڈ افسر سے اپنے بقید حیات ہونے کا سرٹیفکیٹ پیش کرنا تھا۔ انہوں نے شنکر پرشاد صاحب چیف کمشنر دہلی کو جو کاغذات برائے تصدیق بھیجے ان کے ساتھ منسلک خط کے آخر میں انہوں نے لکھا تھا۔ ''جوش مرحوم''

کسی مشاعرے میں ایک نومشق شاعر اپنا غیر موزوں کلام پڑھ رہے تھے، اکثر شعرا آداب محفل کو ملحوظ رکھتے ہوئے خاموش تھے، لیکن جوش ملیح آبادی پورے جوش و خروش سے ایک ایک مصرعہ پر داد تحسین کی بارش کیے جا رہے تھے۔

گوپی ناتھ امن نے انہیں ٹوکتے ہوئے کہا۔

''قبلہ! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟''

''منافقت'' جواب ملا۔



"نہیں! — جوش صاحب نے وہسکی کے کچھ گھونٹ حلق سے اُتارتے ہوئے کہا۔
"لیکن اندازہ سوچتے ہوئے آپ ایسے معلوم ہو رہے ہیں جیسے کوئی نامرد کوک شاستر پڑھ رہا ہو۔"

جوش پہلی بار اپنے ایک شاعر دوست بسمل سعیدی کے ساتھ شام کے وقت ایک رئیس کے ہاں اس نیت سے پہنچے کہ وہ کچھ کھلائے پلائے گا۔ رئیس نے ان کا خیر مقدم تو بڑی گرم جوشی سے کیا لیکن پینے پلانے کے سلسلے میں بڑی بے دلی کے ساتھ صرف ایک بار پوچھا۔

"کیوں جوش صاحب کچھ پیجئے گا؟"

جوش صاحب نے معنی خیز نظروں سے بسمل کی طرف دیکھنے کے بعد اپنی روایتی وضع داری سے کام لیتے ہوئے کہا "نہیں جناب نوازش آپ کی۔"

واپس آتے ہوئے انہوں نے بسمل سے پوچھا۔

"اس رئیس زادے نے جس انداز سے ہمیں پینے کی دعوت دی اُسے دیکھا؟" اور پھر بسمل کے جواب کا انتظار کیے بغیر کہنے لگے۔

"اس انداز کے اظہار کے لئے کوئی مناسب لفظ بتاؤ۔"

بسمل نے چند لمحوں تک فکر کرنے کے بعد کہا "اُردو میں تو غالباً ایسا کوئی لفظ نہیں البتہ عربی میں اس موقع پر ایک لفظ ہے استنکار"

جوش صاحب مسکرائے بہت کہنے لگے "اسے کہتے ہیں ع

اللہ رے مری دعوتِ انکار طلب

رکی گئی چنانچہ وہ حضرت جلال کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ کیا خطا ہوئی جو اسے
گھی واپس کر دیا حضرت جلال نے برہمی کے ساتھ فرمایا
"واپس نہ کرتا تو کیا کرتا تم نے اس امرسر ملازم بھیجا تھا جس نے میرے دروازے پر
آکر پکارا 'جلال ہوت' "

جوشؔ صاحب کے والد بھی شعر کہتے تھے اور حضرت جلاؔل لکھنوی سے اصلاح
لیتے تھے لیکن ان کی زندگی میں ہی جوشؔ صاحب کی شاعری ان سے زیادہ مقبول ہونے
لگی تو انہوں نے کہا ۔
" دیکھو گھسّی جوشؔ ، میں یہ چاہتا ہوں کہ ہمارے پاس دولت مجھ سے زیادہ ہو
ثروت مجھ سے زیادہ ہو، جاہ و جلال مجھ سے زیادہ ہو، عمر مجھ سے زیادہ ہو، لیکن میں
یہ نہیں چاہتا کہ تم مجھ سے بڑے شاعر بھی کہلاؤ "

پنڈت ہری چند اختر اگرچہ میگسار دل کا دم بھرتے تھے لیکن مے پرانے سے کوسوں دور
رہتے تھے ، ایک بار جوشؔ کے ساتھ سحابے میں گئے جوشؔ صاحب اور دیگر شعراء تو
پینے پلانے میں مشغول ہو گئے لیکن اختر صاحب بیٹھے رہے، جوشؔ صاحب کو کچھ حال
آیا تو انہوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور پوچھنے لگے ۔
" پنڈت جی یہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں ؟ "
" یار کا منہ دیکھ رہا ہوں صاحب ، " اختر نے جواب دیا
" کم سے کم شراب کی قسموں اور ان کی صفتوں سے تو واقف ہو جاؤں ۔ "

سے
معصوم اُمنگیں جھول رہی ہیں دلداری کے جھولے میں
یہ کچی کلیاں کیا جانیں کب کھلنا کب مُرجھانا ہے

اس کے بعد آٹو گراف بک دوسرے شاعروں کے پاس سے ہوتی ہوئی جب جوش صاحب کے سامنے آئی تو انہوں نے لکھا:

آٹو گراف بک ایک ایسا اصطبل ہے جس میں گدھے اور گھوڑے ایک ساتھ باندھے جاتے ہیں۔

دراصل جہاں جگر اور حفیظ کے برمحل شعروں سے ان کے حساس جمال کو تازگی اور شگفتگی ملتی، وہاں دوسرے کئی شاعروں کے اوٹ پٹانگ شعر انہیں ناگوار گزرے تھے۔



بمبئی میں جوش صاحب ایک ایسے مکان میں ٹھہرے جس میں اوپر کی منزل پر ایک اداکارہ رہتی تھی۔ مکان کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ انہیں دیدار ہو سکتا تھا لہٰذا انہوں نے یہ رُباعی لکھی سے

میرے کمرے کی چھت پہ ہے اس بُت کا مکان
جلوے کا نہیں ہے پھر بھی کوئی امکان
گو ماہ ہے جوش میں ہوں ایسا مزدور
جو کھوک میں ہو سر پہ اٹھائے ہوئے خوان



جوش صاحب کے والد نے ان کے ہاتھوں اپنے استاد حضرت جلال لکھنوی کے پاس کچھ بھجوایا مگر انہوں نے واپس کر دیا۔ اس سے پہلے انہوں نے کوئی تحفہ یا سوغات واپس

بشیشور پرشاد منورؔ نے بہت سی مذہبی کتابوں کے ترجمے کئے ہیں، مختلف مذاہب سے تعلق رکھتی ہیں، جوشؔ صاحب مذاہب سے بیزار ہیں اور انہیں انسانی پس ماندگی کا مظہر سمجھتے ہیں اور منورؔ صاحب سے ان کی بے تکلفی بھی ہے، اس لیے کہنے لگے

"منورؔ صاحب ہم دونوں مرنے کے بعد سیدھے دوزخ میں جائیں گے لیکن آپ کو بڑی کشمکش کا سامنا کرنا پڑے گا، کیونکہ کوئی رشی یا اوتار ایک طرف کھینچے گا اور کوئی ولی یا نبی دوسری طرف۔"

دہلی کی ایک معروف ادب پرور اور بوڑھی مغنیہ کے ہاں محفل مشاعرہ منعقد ہو رہی تھی جس میں جوشؔ، جگرؔ، حفیظ جالندھری، جمیل مظہری، مجازؔ اور ساغر نظامی جیسے شعرا شریک تھے۔

مشاعرے کے اختتام پر ایک دُبلی پتلی سی لڑکی جس کی نرگس آنکھیں بجائے خود کسی غزل کے شاعر کی بہترین غزلوں کی طرح حسین تھیں ایک مختصر سی آٹوگراف بک پر دستخط لینے لگی اس جہاں دیدہ مغنیہ کی موجودگی میں یہ نو عمر حسینہ زندگی کے ایک تضاد کو بہت واضح انداز میں پیش کر رہی تھی چنانچہ اس تضاد کے پیش نظر جگرؔ مراد آبادی نے آٹوگراف بک میں لکھا ہے

ازل ہی سے چمن بندِ محبت — یہی نیرنگیاں دکھلا رہا ہے
کلی کوئی جہاں پر کھل رہی ہے — وہیں اک پھول مرجھا رہا ہے

اور جب حفیظ صاحب کی باری آئی تو انہوں نے معصوم لڑکی کے چہرے پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے لکھا۔

ضروری مشورے لیے' اس کے بعد کپور صاحب ایک ؤالی سے مصروف گفتگو ہوگئے اور درتک فنِ موسیقی کے بارے میں تبادلہ خیالات کرتے رہے' اسے میں کچھ اور لوگ آگئے اور اپنے سرکاری کاموں کے سلسلے میں کپور صاحب سے سفارش کرنے کے لئے مترنّم سماجت کرنے لگے اس دوران میں کپور صاحب ٹیلی فون کے ذریعے اپنے دفتر کے ہیڈ کلرک کو دفتری کاموں کے سلسلے میں ضروری ہدایات بھی دیتے رہے' جب ان کے ہجوم سے فارغ ہوکر کپور صاحب نے جوش صاحب سے رجوع کیا اور ان سے کوئی نئی نظم سنانے کی فرمائش کی' تو جوش صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کپور صاحب آپ نظم سن کر کیا کریں گے آپ کی زندگی تو غزل کے مزاج کی طرح ہے جس کے ایک شعر کا دوسرے شعر سے کوئی تعلق ہی نہیں"

ایک بار روش دہلوی کے مکان پر ایک مختصر سی نشست تھی' جس میں کھانے کا بھی انتظام تھا اور پینے کا بھی' حضرت جوش کو ان کے کلام پر داد بھی بہت ملی سرور کے عالم میں جوش ہوکر کہنے لگے

"سب اصل دلی والے مرگئے' اب تو دلی نہیں رہ گئی ہے"

جوش صاحب کے صاحبزادے سجاد کی شادی بھی بے تکلف محفل تھی' اس میں جناب ابن الحسن فکر بھی موجود تھے جو حضرت جوش کے جگری دوست تھے اور اب اس دارِ فانی سے رخصت ہوچکے ہیں اس محفل میں ایک طوائف نے بڑے پُرسُرلے انداز میں جوش ہی کی ایک غزل گانی شروع کی تو فکر صاحب بولے

"اب غزل تو یہ گائیں گی اور جب داد ملے گی تو سلام جوش صاحب کریں گے"

اتفاق ہوا کہ وہی صاحب حضرت جوش سے ملنے ان کے گھر چلے آئے، جوش صاحب نے
چھپ پر کھڑے ہو کر فرمایا "میں ہمیں ہوں"



دلی میں ایک رئیس کے مکان پر مختصر سی صحبت شعر و سخن تھی جس میں زیادہ تر شعراء
پینے والوں میں سے تھے، جب دور چل رہا تھا، نواب صاحب نے پانی مانگا جوش صاحب
نے فرمایا ع یانی بی بی کے کوسے میں ہمیں
اور شعراء کو مصرعہ لگا کر مطلع بنانے کا چیلنج کیا جب کوئی بھی ہم قافیہ مصرعہ نہ لگا سکا
تو خود ہی کہنے لگے ع

یا لتے میں نہ لوستے میں ہمیں
پانی بی بی کے کوسے میں ہمیں



ایک بار جوش کے سامنے اقبال کی فلسفیانہ اور اسلامی شاعری کا ذکر ہو رہا تھا انہوں
نے بحث میں حصہ تو نہ لیا صرف یہ شعر فرما دیا

نہ شاعری ہے عرش کی جنبش کری ہمیں
یعنی خدا نخواستہ پیغمبری ہمیں



ایک روز جوش صاحب کنور مہندر سنگھ بیدی سے ملنے آئے تو کنور صاحب شیر مارنے
کی گفتگو میں مشغول تھے، تھوڑی دیر کے بعد جب شیروں کی لڑائی بند ہوئی تو ایک درمیانی بات
لیا اور اس نے شہر میں جلد ہونے والے ایک دنگل کے سلسلہ میں کنور صاحب سے کچھ

ورنہ یہاں ہمیشہ تلوار سے کام چلتا رہا ہے۔"

جوش صاحب کو ایک دوست اپنے یہاں تصویروں کا البم دکھا رہے تھے، انہوں نے ایک تصویر دکھا کر پوچھا "بتایئے یہ کس کی تصویر ہے؟"

جوش صاحب نے فرمایا "کوئی بے وقوف سا شخص معلوم ہوتا ہے۔"

انہوں نے گردن جھکالی، جوش صاحب کچھ کھٹکے اور پوچھنے لگے۔

"آخر یہ کس کی تصویر ہے؟"

انہوں نے آہستہ سے جواب دیا "میرے والد کی"

جوش صاحب مولانا ابوالکلام آزاد سے ملنے گئے، اتفاق سے وہاں پنڈت جواہر لال نہرو تشریف لائے ہوئے تھے اور کسی سیاسی گفتگو میں مشغول تھے، جوش صاحب نے کوئی دس منٹ انتظار کیا اور اس کے بعد یہ شعر لکھ کر مولانا کے پاس اندر بھیجا۔

نامناسب ہے خون کھولانا
پھر کسی اور وقت مولانا

اس پرچہ کے اندر پہنچتے ہی پنڈت جی باہر آئے اور جوش کو اندر لے گئے

جوش صاحب حادثے کی ایک رات کسی دوست سے ملنے گئے، اندر اطلاع کی، تو نوکر نے آکر جواب دیا کہ "نواب صاحب یہاں نہیں" جوش صاحب کو کچھ شک گذرا کو وقت تو بہت ہوئی لیکن خاموشی سے واپس چلے آئے کچھ دنوں کے بعد ایسا

"قبلہ جوش صاحب، آپ آزاد نظم کیوں نہیں لکھتے ؟"
"ایک بار کوشش تو کی تھی !"
"تو پھر ـــــــــ ؟"
"تمام رات برعم خود آزاد نظمیں کہتے رہے لیکن صبح اٹھ کر دیکھا تو تمام اشعار با
۱



جوش صاحب پل بنگش میں جس محلہ میں آکر رہے اس کا نام تقسیم وطن کے بعد سے
بیا محلہ ہوگیا تھا' وہاں سکونت اختیار کرنے کے بعد جوش صاحب کو معلوم ہوا کہ پہلے اس کا
نام "رنڈی والا باغ" تھا' بڑی اُداسی سے کہنے لگے
"کیا بدمذاق لوگ ہیں اکتنا اچھا نام بدل کر رکھ دیا !"



جوش صاحب دفتر کے لیے تیار ہو رہے تھے اور گھر میں باتیں بھی کرتے جاتے تھے باتوں
کی محویت کے عالم میں وہ اکثر دیتے آپ کو بھول جاتے ہیں جب اچکن پہن کر ٹوپی لگا کر باہر
جانے لگے تو ان کی بیگم نے کہا۔
"آپ پاجامہ پہنا بھول گئے ہیں"



جوش صاحب مذہب اور اہل مذہب کے خلاف بہت سختی سے لکھتے رہے ہیں ایک
بار جب وہ دلی میں تھے تو منشی شیشنو پرشاد منور نے ان سے کہا کہ جوش صاحب آپ
اتنی سختی سے کیوں لکھتے ہیں کچھ نرمی سے لکھیں تو مولویوں پر زیادہ اچھا اثر ہو' جوش صاحب
نے جواب دیا "منور صاحب، میں پٹھان ہوں لکھ پڑھ گیا' اسلئے قلم استعمال کرنا پڑتا ہے"

جوش ملیح آبادی

ایک محفل میں جوش ملیح آبادی اپنی نظم سنا رہے تھے تو کنور مہندر سنگھ بیدی سحر حاضرین سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا

"دیکھیے اکم بخت پٹھان ہو کر کیسے عمدہ شعر پڑھ رہا ہے۔"

جوش صاحب نے فوراً بیدی صاحب کو اس کا جواب دیا

"اور ظالم سکھ ہو کر کیسی اچھی داد دے رہا ہے۔"



ایک بار ایک کالج کے مشاعرے میں جوش صاحب اپنا کلام سنا رہے تھے کہ کسی گوشے سے کچھ ہوٹنگ کی سی آواز آئی، انہوں نے فوراً یہ رباعی پڑھی ؎

آئی ہے مشاعروں میں ڈگھوڑے کی — حاجی اللہ بخش کی، میاں وڈے کی
اے جوش میں عطر کو سمجھ کے اپنے — بھرتا ہوں شیشیوں میں ماردیے کی



دہلی کے ایک مشاعرے میں جب کنور مہندر سنگھ بیدی کے ساتھ جوش بھی آئے تو وہاں گورکھ سال سنگھ نے ان کا خیر مقدم کیا، جوش صاحب نے نہایت ترحم آمیز نظروں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کنور صاحب سے کہا۔

"دیکھیے، یہ بیچارے مشاعرہ میں ایسے دکھائی دے رہے ہیں جیسے رفیع احمد قدوائی کسی طوائف کے کوٹھے پر گانا سنتے ہوئے یا میں کسی حجرے میں بادیدہ پڑھتا ہوا پکڑا جاؤں۔"

کہا جاتا تھا

فراق صاحب نے حضرت جوش سے مخاطب ہو کر ہنستے ہوئے کہا
"وہ میری شاعری تھی، یہ آپ کی شاعری ہے"



ایک مشاعرے میں فراق گورکھپوری غزل پڑھنے سے پہلے فرمانے لگے
"مجھ سے رات کو اب پڑھا نہیں جاتا اور یوں بھی رات کو میں نے اللہ میاں کو اپنے دربار میں آنے سے منع کر دیا ہے"
اس پر گوپی ناتھ امن نے کہا "میری دعا ہے کہ اللہ میاں بھی اپنے دربار میں آپ کو نہ بلائیں"
انہوں نے برملا کہا "مگر آپ اپنے دربار میں بلاتے رہیے گا"



ایک بار فراق صاحب ایک طویل غزل پڑھ رہے تھے، ایک بے تکلف دوست نے فراق صاحب سے کہا کہ ابھی تک سامعین نے آپ کو ہوٹ نہیں کیا، فراق صاحب نے سامعین سے مخاطب ہو کر کہا۔
"حضرات میری اجازت کے بغیر مجھے ہوٹ نہ کیجیے گا"



دہلی کلاتھ مل کے ایک مشاعرے میں فراق صاحب غزل پڑھنے آئے تو انہوں نے کہا۔
"یہ غزل میں نے ایک پرانے پنشن یافتہ معشوق سے مخاطب ہو کر لکھی ہے"
اس پر گوپی ناتھ امن نے کہا "خیال فرمائیے جب معشوق پنشن یافتہ ہے تو بھلا فراق صاحب کس منزل میں ہوں گے"

ایک مشاعرہ میں فراق بیٹھے بعد سامعین کی طرف سے ایک نوجوان شاعر آکر جھومی کا کلام سننے کی فرمائش کی گئی [illegible] مشاعرے کے سکریٹری نے رسید کیا اسکو بلایا تو وہ نہایت لیاقت مندی سے جھکتے ہوئے کہنے لگا [illegible]

"کیا فراق صاحب کے بعد میں اپنے شعر کیونکر پڑھ سکتا ہوں؟"

فراق نے [illegible] فرمایا [illegible] "تم اگر میرے بعد [illegible] ہو تو میرے لئے بعد شعر کیوں نہیں پڑھ سکے [illegible]"

ایک ماہر [illegible] ادیب کسی جگہ [illegible] سال [illegible] "پچھلے دنوں اپنے مکان کی تعمیر کے لئے مجھے اپنے گاؤں جانا پڑا [illegible] کھدائی کی تو مٹی کی [illegible] اور اس کے بعد خود ہی تشریح کرتے ہوئے کہنے لگے "مٹی سے اندازہ ہوتا ہے کہ دو تین ہزار سال پہلے بھی ہمارے دیس میں مٹی موجود تھی"

فراق گورکھپوری بھی وہاں موجود تھے [illegible] کسی تو نہایت سنجیدگی سے فرمانے لگے [illegible] مکان [illegible] کھدوائی تو کچھ بھی [illegible] اندازہ ہوتا ہے کہ [illegible] [illegible]

جوش ملیح آبادی اور فراق گورکھپوری کسی محفل میں تاش دیکھ رہے تھے [illegible] اس میں [illegible] تاش [illegible]

فراقؔ صاحب اور ایک کمیونسٹ افسانہ نگار کی بحث ہو گئی، اُس نے فراقؔ سے کہا "میں حکومت کے ٹکڑوں پر آپ کی طرح نہیں پلا ہوں"۔
فراقؔ نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا
"مگر میں اپنی حکومت سے تنخواہ لیتا رہا ہوں روسی حکومت کے ٹکڑوں پر نہیں پلا"

شعراء کی ایک دعوت میں جگن ناتھ آزادؔ اور فراقؔ گورکھپوری پاس پاس بیٹھے ہوئے تھے جب کھانا ہال کے سامنے لایا گیا تو فراقؔ نے آزادؔ سے مخاطب ہو کر کہا "کھائیے آزادؔ صاحب نہایت لذیذ گوشت ہے"
آزادؔ نے جواب میں ایک عام سا جملہ چسپ کیا۔
"آپ کھائیے، ہم تو دور دور کھاتے ہیں"
فراقؔ نے فی الفور آزادؔ کی بات کاٹتے ہوئے جواب دیا۔
"لیکن یہ خالص گھی کا پکا ہوا ہے"

ایک بار فراقؔ صاحب ایک مشاعرہ میں بلائے گئے، ان کا کوئی جواب نہ آیا۔ اسی دن کو پی نائتھ امن سے ان کے دفتر میں ملے منتظم مشاعرہ عرشؔ صاحب کا دفتر بھی اسی عمارت میں تھا، انہیں اطلاع دی گئی۔ انہوں نے آکر کہا فراقؔ صاحب! اچھا ہوا آپ آگئے ورنہ ہمارا مشاعرہ بے دولہا کی برات ہوتا
فراقؔ صاحب نے جواب دیا
"مگر میں تو آپ کو بے برات کا دولہا سمجھتا ہوں"

فراق گورکھپوری

فراق صاحب اُردو، فارسی، ہندی، انگریزی کئی زبانوں کے ماہر تھے، مگر وہ دلدادہ اُردو زبان کے تھے، ایک بار ہندی کے ایک ادیب اور اُن کے درمیان زبان کے مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی، بحث کے دوران فراق صاحب نے فرمایا۔

"کھڑی بولی پر ہندی سرکی مہیا دللّو لال جی نے ڈالی تھی، وہ للّو لالیت ابھی تک پائی جاتی ہے۔"

ایک مذہبی قسم کے بزرگ فراق کے ساتھ کسی مسئلے پر بحث کر رہے تھے، دوران بحث وہ بار بار گناہ اور ثواب کے الفاظ استعمال کر رہے تھے، فراق نے جھلا کر پوچھا

"کیوں صاحب! یہ گناہ کیا چیز ہے؟"

"گناہ! ۔۔۔ یعنی گناہ کیا چیز ہے ۔۔۔ گناہ گناہ ہے اور کیا؟"

فراق کے اس غیر متوقع سوال پر وہ لڑکھڑا سے گئے، لیکن چند لمحوں کے تامل کے بعد کہنے لگے۔

"گناہ وہ کام ہے جو لوگوں کی نظر سے چھپ کر کیا جائے۔"

"یعنی جیسے میں پیشاب کرتا ہوں"، فراق نے جواب دیا۔

اتنے مختصر سے جواب سے ان بزرگ کی پیشانی یوں عرق آلود ہو گئی جیسے خود کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہو۔

"مریم ضرور اس شعر میں کوئی خامی ہوگی ورنہ آپ ضرور ہنستے"

دہلی میں محمود علی خاں نے جگر صاحب کے اعزاز میں ایک دعوت دی تمام مہمان تقریباً ایک دائرہ کی شکل میں [illegible] کرسیوں پر تشریف فرما تھے کہ ایک صاحب جو کالی دیر سے تشریف لائے جھکتے ہوئے ایک مہمان کے پیچھے کرسی رکھ کر اس پر بیٹھ گئے۔ جگر صاحب نے مسکراتے ہوئے [illegible] انہیں دیکھا اور کہنے لگے

"ارے بھائی برابر آ جاؤ [illegible] اس طرح کیوں بیٹھ گئے جیسے ہندوستان کے نقشے میں سیلون"

[illegible]

ایک محفل میں جوش ملیح آبادی اور جگر دونوں [illegible] جوش کہتے تھے "پیسے میں [illegible] ہوگا" اور جگر صاحب کا [illegible] پیسے میں [illegible] تھوڑی دیر تک یہ تکلف ہوتا رہا آخر جگر نے کہا۔

"[illegible]"

"لیجے میں آپ کے چار شعر سناتا ہوں [illegible]"

جوش نے کہا "چار نہیں پانچ" [illegible]

جگر بولے "دکھائے وہی شعر والی بات کی"

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اگلے روز جب جگر صاحب سے کسی نے مختلف دوستوں کے اشعار کے متعلق ان کا
نام دریافت کیا تو جگر صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا
"مولانا صاحب! قدرت کی طرف سے کسی اچھے شاعر کو سزا ملتی ہے تو اس پر کوئی
گھٹیا شعر نازل ہو جاتا ہے اور جب کسی اچھے شعر کو سزا ملتی ہے تو وہ کسی گھٹیا
شاعر پر نازل کر دیا جاتا ہے" [illegible]
[illegible]

ایک بار جوش ملیح آبادی نے جگر صاحب کو چھیڑتے ہوئے کہا [illegible]
"کیا عبرتناک حالت ہے آپ کی، شراب نے آپ کو خدا سے مولوی بنا دیا اور آپ اپنے
مقام کو بھول بیٹھے۔ مجھے دیکھئے کہ میں برسوں سے جس طرح اپنے مقام پر آج بھی قائم
اٹل کھڑا ہوں جہاں آج سے کئی سال پہلے کھڑا تھا" [illegible]
جگر صاحب نے جواب دیا "مولانا آپ پہاڑ کی طرح کھڑے ہیں اور میری زندگی ریل
گاڑی کی طرح ہے جو آگے بڑھنے کو پیچھے چھوڑتی ہوئی ہر مقام الٹے ہٹ کے اپنا مقام
[illegible]
باقی جا رہی ہے"



جگر مراد آبادی نے کسی شعر کی تعریف کرتے ہوئے کسی غل آچلے کہنے والے کہا۔
"وہ شعر [illegible] غزل کا فلاں شعر [illegible] دل کے ایک کونے میں پڑا ہوا
اور [illegible]
[illegible]

جگر مراد آبادی

ایک بار مشاعرہ ہو رہا تھا۔ ایک مسلم الثبوت استاد اُٹھے اور انہوں نے ایک طرح مصرعہ دیا ع

چمن سے آ رہی ہے بوئے کباب

بڑے بڑے شاعروں نے طبع آزمائی کی لیکن کوئی گرہ نہ لگا سکا۔ ان میں سے ایک شاعر نے قسم کھائی کہ جب تک گرہ نہ لگائیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ چنانچہ وہ ہر صبح دریا کے کنارے نکل جاتے اونچی آواز سے الاپتے ــ

چمن سے آ رہی ہے بوئے کباب

ایک روز وہ دریا کے کنارے یہی مصرعہ الاپ رہے تھے کہ ادھر سے ایک کمسن لڑکا گزرا۔ جونہی شاعر نے مصرعہ پڑھا، وہ لڑکا بول اُٹھا۔ ع

کسی بلبل کا دل جلا ہوگا

شاعر نے بھاگ کر اس لڑکے کو سینے سے لگا لیا۔ یہی لڑکا بڑا ہو کر جگر مراد آبادی کے نام سے مسلم الثبوت استاد بنا۔



بھوپال میں جگر مراد آبادی کے اعزاز میں ایک مخصوص محفل مشاعرہ منعقد ہوئی جس میں شعری بھوپالی اور دوسرے نامور کہنہ مشق شعرا کے علاوہ بعض کم نام اور نو آموز شعرا نے اپنا کلام سنایا۔ اتفاق سے اس مشاعرہ میں ایک دو مشہور شعرا کے بعض اشعار بہت ناقص تھے اور ایک مبتدی شاعر کی غزل کا ایک شعر جگر صاحب کو غیر معمولی طور پر

نے کتنوا مسرم تم کو مگر کبھی نہ پسینا آیا

سہ روزوں کے اخبار پرتاپ کے اڈیٹر ملک چند مہاشے کو اپنی شاعری پر ناز تھا، وہ اکثر مولانا ظفر علی خاں کی نظموں کا جواب دیتے وقت ان پر چوٹ کر جاتا تھا ایک دفعہ اس نے ایک نظم لکھی جس کا قافیہ "کھٹتے" "اسے" وغیرہ تھا اس کا ایک شعر تھا سے

زمیندار اور لائے گا کہاں سے قافئے چُن کر
کہ جتنے قافیے تھے اس زمیں میں آ گئے اسے

مولانا ظفر علی خاں نے ایک طویل نظم میں اس کا جواب دیا، ایک شعر ملاحظہ ہو سے

مہاشے مارکی شان تواضع کے میں صدقے
کھلایا اپنے گھر کا قافیہ ہی کیوں شری سے

گاندھی کی لنگوٹی کا مسلمان کے بھدے سموار سہ کرتے ہوئے ایک بار لکھا سے

لوئے گاندھی کی لنگوٹی کا جہاں رکھ لی ہے شرم
مرے ہمدم کو بھی یارب فتح دے پتلون پر

کانگرسی ملاؤں نے مسلم لیگ کی تحریک پاکستان کی مخالفت کی تو مولانا نے ان پر پھبتی کستے ہوئے لکھا سے

کانگرس نے پال رکھے ہیں عرب کے چند اونٹ عالم اسلام سے ان نے مہاروں کے خلاف

"انقلاب" میں لالہ سانگت رائے نے ایک مرتبہ لکھا کہ یہ خلافت کی تلیاں کیوں ہمارا کھا لوچنے پر آمادہ ہیں؟

مولانا نے "زمیندار" کے کالم "فکاہات" میں جواب دیا جس میں یہ چھپا ہوا فقرہ بھی تھا "کیوں حضرت، خلافت کے لاہور بیورو یعنی مولانا عبدالقادر قصوری کے متعلق کیا ارشاد ہے "تلّی"

بچہ سقہ کے کابل پہنچنے اور امان اللہ خاں کے بھاگنے کی خبر آئی تو مولانا نے برجستہ دو شعر کہے ۔

گدھوں کی آج کل کابل میں ہے فرمانروائی
گماں ہوتا ہے یہ انسان وہاں پیدا نہیں ہوتے
ہوا کرتے ہیں پیدا ان دنوں سقوں کے ہاں بچے
مگر ہر روز امان اللہ خاں پیدا نہیں ہوتے

ایک صحبت میں مولانا ابوالکلام آزاد کے برابر والی کرسی پر مولانا ظفر علی خاں بیٹھے ہوئے تھے، مولانا آزاد نے پینے کے لئے پانی مانگا تو اس پر ایک معمر سفید ریش بزرگ اُٹھے اور پانی کا گلاس نہایت عقیدت سے ان کی خدمت میں پیش کر دیا، مولانا نے گلاس ہاتھ میں لیتے ہوئے برجستہ فرمایا ع

لے کے خود پیر مغاں ساغر و مینا آیا

اس پر مولانا ظفر علی خاں نے فوراً گرہ لگائی ع

سر محمد شفیع صاحب نے جب اپنی لیگ الگ بنا لی تو ظریف نے کہا

لوگ کہتے ہیں کہ بیکار ہے لاہور کی لیگ
ہم یہ کہتے ہیں سرِ کار ہے لاہور کی لیگ

مولانا حسرت موہانی نے جب ستیہ گرہ کیا تو پولیس انہیں گرفتار کرنے آئی
مولانا ایک منچلی طبیعت کے لیڈر تھے، انہوں نے کہا۔
"میں اپنی گرفتاری میں تم کو کیوں مدد دوں میں تو نہیں چلتا تمہیں غرض ہو
تو لے جاؤ" چنانچہ چار پولیس والے انہیں اٹھا کر موٹر تک لے گئے
مولانا ظفر علی خان نے اخبار "زمیندار" میں لکھا "حضرت عیسیٰ تو ایک
گدھے پر چڑھا کرتے تھے مولانا حسرت موہانی نے بیک وقت چار گدھوں پر سواری کی ہے"

علامہ اقبال کو بچپن میں استاد نے املا لکھائی تو انہوں نے "غلط" کو "غلت" لکھ دیا' یعنی "ط" کی جگہ "ت" ڈال دیا' اُستاد نے کہا "غلط کو "ط" سے لکھا جاتا ہے؟
انہوں نے جواب دیا "جناب! غلط کو غلت ہی لکھنا چاہئے؟



علامہ اقبال کو حکومت کی طرف سے "سر" کا خطاب ملا تو انہوں نے اسے قبول کرنے میں یہ شرط رکھی کہ ان کے اُستاد مولانا میر حسن کو بھی شمس العلماء کے خطاب سے نوازا جائے' اعلیٰ حکام نے یہ سوال اُٹھایا کہ ان کی کوئی تصنیف نہیں' انہیں کیسے خطاب دیا جاسکتا ہے!
علامہ نے فرمایا "میں (یعنی مولانا کی سب سے بڑی تصنیف خود میں ہوں۔"
چنانچہ حکومت کو ان کے استاد کو شمس العلماء کا خطاب دینا پڑا!



انجمن حمایت اسلام کے مشاعرے میں ملک کے نامور شعراء جمع تھے' ان دنوں مولانا حالی بڑھاپے کی وجہ سے کمزور ہوگئے تھے' اور اقبال ابھی نوجوان شعراء میں شمار ہوتے تھے' جب مولانا حالی کی باری آئی تو انہوں نے اپنے کلام والا کاغذ پاس بیٹھے ہوئے علامہ صاحب کو پکڑا دیا' علامہ اقبال اُٹھے اور حاضرین پر ایک نظر ڈال کر گویا ہوئے کہ
گویا کہ میں بھی ہوں
لوگ اس غیر موقع مصرعے پر حیران رہ گئے' ابھی وہ بات کی نوعیت بھی سمجھ نہ پائے تھے کہ آپ نے پھر وہی الفاظ دہرائے' اب تو حاضرین میں کھلبلی مچ گئی آہستہ آہستہ ان کی کھسر پھسر نے واضح رنگ اختیار کرلیا' لوگ اس زمانے

میں مرت کا دعویٰ کرنے والوں کو آسانی کے ساتھ معاف نہ کرتے تھے اس سے پیشتر کہ لوگ آپ کے دعوئی موت کو جھٹلاتے اور آپ کے خلاف کوئی واضح کاروائی کرتے۔

آپ نے فرمایا ؎

گویا کہ میں بھی ہوں اشعار کے خدا کا
قرآں ہی کر اُترا مجھ پر کلام حالی

یہ سننا تھا کہ حاضرین داد دینے اُٹھ کھڑے ہوئے اور کافی دیر تک تالیوں اور تعریفی کلمات کا شور برپا رہا۔

علامہ اقبال کو بچپن میں استاد نے املا لکھائی تو انہوں نے "غلط" کو "غلت" لکھ دیا یعنی "ط" کی جگہ "ت" ڈال دیا۔ استاد نے کہا "غلط کو ط سے لکھا جاتا ہے"؟ انہوں نے جواب دیا "جناب! غلط کو غلت ہی لکھنا چاہئے"؟



علامہ اقبال کو حکومت کی طرف سے "سر" کا خطاب ملا تو انہوں نے اسے قبول کرنے میں یہ شرط رکھی کہ ان کے استاد مولانا میر حسن کو بھی شمس العلماء کے خطاب سے نوازا جائے۔ اعلیٰ حکام نے یہ سوال اٹھایا کہ ان کی کوئی تصنیف نہیں انہیں کیسے خطاب دیا جاسکتا ہے!

علامہ نے فرمایا "آپ کی (یعنی مولانا کی) سب سے بڑی تصنیف خود میں ہوں۔"
چنانچہ حکومت کو ان کے استاد کو شمس العلماء کا خطاب دینا پڑا



انجمن حمایت اسلام کے مشاعرے میں ملک کے نامور شعراء جمع تھے، ان دنوں مولانا حالی بڑھاپے کی وجہ سے کمزور ہوگئے تھے اور اقبال ابھی نوجوان شعراء میں شمار ہوتے تھے۔ جب مولانا حالی کی باری آئی تو انہوں نے اپنے کلام والا کاغذ پاس بیٹھے ہوئے علامہ صاحب کو پکڑا دیا، علامہ اقبال اٹھے اور حاضرین پر ایک نظر ڈال کر گویا ہوئے ع

گویا کہ میں سی ہوں

لوگ اس غیر موقع مصرعے پر حیران رہ گئے، ابھی وہ بات کی نوعیت بھی سمجھ نہ پائے تھے کہ آپ نے پھر وہی الفاظ دہرائے، اب تو حاضرین میں کھلبلی مچ گئی آہستہ آہستہ ان کی کھسر پھسر نے واضح رنگ اختیار کر لیا، لوگ اس زمانے

علامہ اقبال

پنجاب کے ایک پیر صاحب علامہ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ "ان دنوں سرکار لوگوں میں مربعے تقسیم کر رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کچھ زمین مجھے بھی مل جائے۔" علامہ نے جواب دیا

"درخواست لکھنے میں تو مجھے کچھ عار نہیں لیکن کیا آپ کو علم ہے کہ یہ درخواست کس کے سامنے پیش کرنی ہوگی؟"

پیر صاحب غالباً اس بات کا مطلب نہ سمجھ سکے۔ انہیں خاموش دیکھ کر علامہ گویا ہوئے "ایک مشہور کتاب ہے جس کا نام قرآن مجید ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ زمین خدا کی ملکیت ہے اس لیے اگر آپ چاہیں تو میں خدا کے نام درخواست لکھ دیتا ہوں۔"

ماہ رمضان میں ایک بار پروفیسر حمید احمد خان، ڈاکٹر سعید اللہ اور پروفیسر عبدالواحد علامہ اقبال کے گھر پر حاضر ہوئے کچھ دیر بعد مولانا عبدالمجید سالک اور مولانا غلام رسول مہر بھی تشریف لے آئے۔ افطاری کے وقت علامہ نے گھنٹی بجائی اور اپنے نوکر کو بلایا اور اس سے کہا۔

"افطاری کے لیے شکر، کھجوریں، کچھ نمکین اور میٹھی چیزیں جو ہو سکے سب لے آؤ۔"

سالک نے عرض کی۔

"اوہو! اتنا سامان منگوانے کی کیا ضرورت تھی؟" علامہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا "بس کچھ [illegible]"

کر دیا۔ اس پر اس کی ہجو میں آپ نے کہا ہے

آج کل لوگوں میں ہے انکار کی عادت بہت
نام محبوبانِ عالم کا تو ہی بدنام ہے

ایک صاحب نے دعوے کیا کہ "خدا مجھ سے باتیں کرتا ہے" علامہ اقبال نے ہنس کر کہا۔ "ذرا مستقل کرتے رہیے، خدا کی ساری باتیں مان نہ لیا کرو، بعض باتیں وہ یوں ہی بھی کہہ دیتا ہے" اس نے علامہ کو یہ خوش خبری سنائی کہ میں ۱۹۳۸ء میں ہندوستان کا بادشاہ بن جاؤں گا اور دہلی کو اپنا پایۂ تخت بناؤں گا"

اس پر علامہ نے کہا "ہم تو اس وقت کہاں ہوں گے، مگر آپ عبرت نمائی کر کے مرے لڑکے جاوید کو نہ بھولنا۔ ویسے مہرولی کا علاقہ ضرور بخش دینا۔" علامہ کے مرض الموت میں وہی شخص عیادت کے لیے آیا اور کہنے لگا "آپ نے مجھے پہچانا ہوگا" علامہ اقبال تکلف کرتے ہوئے مسکرائے اور کہنے لگے "واہ، یہ آپ نے کیا بات کہی، ہم اور آپ کو نہ پہچانیں۔ ولی را ولی می شناسد"

شیر سندھ وحید الدین کے ایک عزیز کو کتے پالنے کا حد شوق تھا۔ ایک روز وہ دو کتوں کے ہمراہ علامہ سے ملنے چلے آئے۔ نوکر اندر جانے لگے اور کتے موٹر ہی میں رہے۔ اتنے میں علامہ کی ننھی بچی منیرہ بھاگتی ہوئی آئی اور ناک سے کہنے لگی۔ "ابا ابا موٹر میں کتے آئے ہیں" علامہ نے احباب کی طرف دیکھا اور کہا۔

"نہیں منا، یہ تو آدمی ہیں"

مولوی انشاء اللہ کئی مرتبہ علامہ سے ملے گئے لیکن ہر مرتبہ یہی معلوم ہوا کہ علامہ باہر گئے ہوئے ہیں، اتفاق سے ایک دن گھر پر مل گئے، مولوی صاحب نے مذاق کیا۔

"ڈاکٹر صاحب آپ سے طوائفیں انارکلی سے اٹھوا دی گئی ہیں، آپ کا دل بھی یہاں نہیں لگتا؟"

علامہ نے جواب دیا "مولوی صاحب کیا کیا جائے، وہ بھی تو وطن کی بہنیں ہیں" مولوی صاحب کٹ گئے۔



میاں بشیر احمد صاحب کو دیکھ کر علامہ اقبال اکثر کہا کرتے تھے "آئیے مولانا البشیر" ایک بار انہوں نے مسکرا کر ذرا احتجاج کیا "ڈاکٹر صاحب، میں کہاں کا مولانا ہوں"، مسکرا کر کہنے لگے "واہ مولانا ہونا کوئی بڑی بات ہے اندکیا مولاناؤں کے سر پر سینگ ہوتے ہیں، آخر کچھ تو عربی جانتے ہی ہو نا؟"



بچپن میں اقبال کو مٹری پالنے کا بڑا شوق تھا، ایک روز سبق پڑھ رہے تھے اور ایک بٹیرا ہاتھ میں تھی، ان کے استاد مولانا میر حسن نے دیکھا تو فرمایا، کم بخت تجھے ان بٹیروں کو ہر وقت ہاتھ میں تھامے رکھنے میں کیا مزا ملتا ہے"

علامہ اقبال نے برجستہ جواب دیا

"حضرت ذرا اسے ہاتھ میں لے کے دیکھیے؟"



ایک مرتبہ منشی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار نے ان کی کوئی نظم چھاپنے سے انکار

علامہ نے جواب دیا "آپ سے زیادہ حیرانی مجھے ہے، کہ آپ تو جرنیل ہیں، میں سمجھا تھا آپ دیو ہیکل ہوں گے، مگر آپ میں جرنیل کی کوئی شان نہیں، اس قدر دبلے پتلے؟"

چوہدری شہاب الدین بلدیہ لاہور کے صدر منتخب ہو گئے، اسی زمانے میں سر شجاع الملک مہتر چترال لاہور تشریف لائے، نواب سر ذوالفقار علی خاں کے ہاں پر تکلف دعوت دی گئی، اور نواب صاحب نے علامہ اقبال سے کہا کہ آپ ہز ہائی نس سے مقامی معززین کا تعارف کرا دیجئے، علامہ اقبال تعارف کرانے لگے، جب چوہدری صاحب کی باری آئی تو کہا "اعلیٰ حضرت! ایں خان بہادر چوہدری شہاب الدین صدر بلدیہ لاہور ہستند، گویا کہ مہتر لاہور می باشند"

مجلس میں ایک قہقہہ بلند ہوا، اور چوہدری صاحب جل کر راکھ ہو گئے۔

لارڈ کچنر جس جہاز میں سفر کر رہے تھے، وہ غرق ہو گیا تھا اور ان کی نعش بھی نہ ملی تھی، اسی زمانے میں افواہ اڑی کہ لارڈ کچنر بچ گئے ہیں، ایک دوست نے علامہ سے کہا کہ "سنا گیا ہے لارڈ کچنر زندہ ہو گیا ہے"

آپ نے فرمایا "ہاں! کاڈ لور آئل کی صورت میں واپس آ گیا ہو تو تعجب نہیں"

اخبار وطن کے ایڈیٹر مولوی انشاء اللہ خاں علامہ کے ہاں اکثر حاضر ہوتے تھے، ان دنوں علامہ انارکلی بازار میں رہتے تھے، اور وہیں طوائفیں آباد تھیں، میونسپل کمیٹی نے ان کے لئے دوسری جگہ تجویز کی چنانچہ انہیں وہاں سے اٹھا دیا گیا اس زمانے میں

دو بیٹوں میں سے پہلے آپ کا رنگ کالا اور ڈیل ڈول جب زیادہ تھا ایک روز وہ سیاہ سوٹ پہنے ہوئے اور سیاہ ٹائی لگائے کورٹ میں آئے تو اقبال نے سر تا پا سیاہ دیکھ کر کہا۔

"ارے چودھری صاحب آج کس طرح ڈھکے ہی چلے آئے ہیں!"

ایک دن وہی چودھری صاحب سر تا پا سفید کپڑے پہن کر ایک دعوت میں آئے تو اقبال نے انہیں دیکھ کر پھر چوٹ کی

"دیکھو کپاس میں بھینسا گھس گیا"

۱۹۳۰ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں ایک جلسے کی صدارت کرتے ہوئے برطانوی حکومت پر ان الفاظ میں چوٹ کی

مدراس کے وزیر اعظم نے انام لیکن اطلس میں چند مدارس کے پاس گئے اور دکھا کر وہ حالی معلوم کرنا چاہتے ہیں اس سے تمہاری کیا غرض ہے تو انہوں نے جواب دیا

"آج کل مجھے بالکل فرصت ہے کیونکہ میں نے اپنا سارا کام برطانوی وزارت کو سونپ رکھا ہے۔"

کابل کے نادر خان ایک بار لاہور ٹھہرے ہوئے تھے علامہ کی صورت دیکھ کر سب حیران ہوتے کہنے لگے "آپ اقبال ہیں، میں تو سمجھتا تھا کہ آپ لمبی داڑھی والے بزرگ صورت ہوں گے۔"

علامہ اقبال

علامہ اقبال بچپن ہی سے بذلہ سنج اور شوخ طبیعت واقع ہوئے تھے، ایک روز جب ان کی عمر گیارہ سال تھی، انہیں سکول پہنچنے میں دیر ہوگئی، ماسٹر صاحب نے پوچھا "اقبال تم دیر سے آئے ہو"

آپ نے برجستہ جواب دیا "جی ہاں، اقبال ہمیشہ دیر ہی سے آتا ہے"



ایک دفعہ علی گڑھ میں مشاعرہ ہو رہا تھا، اہل ذوق دور دور سے مشاعرے میں شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے، علامہ اقبال بھی موجود تھے، مشاعرے کے اختتام پر علی گڑھ کے چند منچلے شعراء نے علامہ کو پریشان کرنے کی ٹھانی، انہوں نے ایک مصرعہ منتخب کر کے علامہ کو اس پر گرہ لگانے کے لئے کہا ع

مچھلیاں دشت میں پیدا ہوں ہرن پانی میں

علامہ اقبال ایسے کھیڑوں سے پرہیز کرتے تھے تاہم لوگوں کے بے حد اصرار پر مصرعہ لگا کر شعر مکمل کر دیا ؎

اشک سے دشت بھریں آہ سے سوکھیں دریا
مچھلیاں دشت میں پیدا ہوں ہرن پانی میں



پنجاب کے مشہور قانون دان چوہدری شہاب الدین علامہ کے بے تکلف

لکھا "سبحان اللہ ہمارا کفر بھی کیا کفر ہے کہ کسی کو حاجی اور کسی کو ہاجی زجو کو رکھ دے۔ اِلا اور کسی کو کافر اور کسی کو مسلمان بناتا ہے۔"

ایک دفعہ ایک شخص نے سرسید سے پوچھا کہ "اگر نماز میں بجائے عربی عبارتوں کے ان کا اردو ترجمہ پڑھ لیا جائے تو کوئی حرج یا نقصان تو نہیں؟"

سرسید نے جواب دیا "ہرگز کوئی حرج اور نقصان نہیں صرف اتنی بات ہے کہ نماز نہیں ہوگی۔"

دلّی میں ایک طوائف تھی جس کا نام "شیریں تھا" مگر اس کی ماں بہت بھدّی اور بُری شکل کی تھی، ایک محفل میں شیریں اپنی ماں کے ساتھ مجرے کیلئے آئی، سرسید وہاں موجود تھے انکے برابر ان کے ایک ایرانی دوست براجمان تھے، وہ شیریں کی ماں کو دیکھ کر کہنے لگے

"مادرش بسیار تلخ است" اس پر سرسید نے فوراً جواب دیا

"گرچہ تلخ است ولیکن بر شیریں دارد"

ایک مولوی صاحب نے سرسید کو خط لکھا کہ میں معاش کی طرف سے بہت تنگ ہوں، عربی جانتا ہوں، انگریزی سے ناواقف ہوں کسی ریاست میں میری سفارش کر دیں۔

سرسید نے جواب دیا کہ سفارش کی میری عادت نہیں اور معاش کی تنگی کا آسان حل یہ ہے کہ میری تفسیر القرآن کا رد لکھ کر آپ چھپوائیں، کتاب خوب بکے گی، اور آپ کی تنگی دور ہو جائے گی۔

ایک صحبت میں سرسید، مولانا شبلی اور مولوی مساز علی بیدل موجود تھے اور حرب ماس ہو رہی تھیں۔ اتفاقاً سرسید کا کوئی اہم کاغذ کھو گیا بہت ڈھونڈا نہ ملا، سرسید بہت پریشان ہوئے کسی طرح مولانا شبلی نے اس کاغذ کو پالیا اور سرسید کو ذرا ستانے اور تماشا دیکھنے کی غرض سے اپنا ہاتھ کاغذ پر رکھ دیا۔ اُدھر سر سید بھی اس ادائے خاص کو بھانپ گئے کہ مطلوبہ کاغذ کو مولانا شبلی ہاتھ کے نیچے دبائے بیٹھے ہیں، آپ ان کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور کہا۔

" بزرگوں کا قول صحیح ہے کہ جو چیز گم ہو جاتی ہے اس کو شیطان اپنے ہاتھ لے دبا کر بیٹھ جاتا ہے "

پھر ادھر اُدھر دیکھ کر مولانا سے فرمایا " ذرا دیکھنا تو میرا وہ کاغذ کہیں تمہارے ہاتھوں تلے تو نہیں ؟ " اس پر مولانا نے اپنا ہاتھ اُٹھایا اور وہ کاغذ نظر آیا تو سب کی باچھیں کھل گئیں اور محفل قہقہہ زار ہو گئی۔

محمڈن کالج کا عرس کا جلسہ ہو رہا تھا۔ سرسید، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک شبلی، حالی، سید احمد بھی موجود تھے، اتنے میں پچاس کے ایک مشہور رئیس دار جو خطاب مافتہ بھی تھے، تقریر کرنے کھڑے ہو گئے اور بڑے جوش کے ساتھ فرمایا — کہ سرسید ہماری قومی کشتی کے ناکتخدا ہیں۔ ساری محفل دیوار قہقہہ بن گئی اگرچہ سید بڑے متین بزرگ تھے لیکن اپنی ناکتخدائی کا ذکر سن کر انہیں بھی بے اختیار ہنسی آ گئی

مولوی علی بخش خاں مرحوم سرسید کے خلاف کفر کا فتوٰی لینے مکہ معظمہ گئے تو سرسید نے ،

پادری یہ سُن کر خاموش ہو گیا اور اپنے ساتھی سے انگریزی میں کہنے لگا۔
" یہ تو سخت کافر ہے "

ایک بار کسی مضمون میں سرسید احمد خاں نے لکھا کہ اجماع جیسا کہ اہل سنت سمجھتے ہیں، حجت شرعی نہیں ہے۔ ایک شیعہ نے یہ مضمون پڑھا تو بہت خوش ہو کر سرسید سے ملنے آیا اور ان سے کہنے لگا۔
"کیوں جناب اب آپ کے نزدیک اجماع حجت نہیں تو خلیفۂ اوّل کی خلافت کیونکر ثابت ہو گی؟"
سرسید نے جواب دیا "حضرت، نہ ہو گی تو اُن کی نہ ہو گی، میرا کیا بگڑے گا؟"
وہ یہ سُن کر اور بھی خوش ہوا اور کہنے لگا "کیوں جناب، اس اختلاف کے وقت جب کچھ لوگ خلیفۂ اوّل کا ہونا چاہتے تھے اور کچھ جناب امیرؑ کا، اگر آپ اس وقت ہوتے تو کس کے لئے کوشش کرتے؟"
سرسید نے اُسی متانت کے ساتھ جواب دیا "حضرت، مجھے کیا غرض تھی کسی کے لئے کوشش کرتا؟ مجھ سے جہاں تک ہو سکتا اپنی ہی خلافت کا ڈول ڈالتا اور شاید کامیاب ہوتا۔" یہ سُن کر شیعہ حضرت نے جوتیاں پہنیں گھر کا رستہ لیا۔

ایک بار سرسید لندن میں تھے تو ڈیوک آف آرگائل نے دعوت میں شراب بھی پیش کی، آپ نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔
"میں نوح کی شراب نہیں پیتا صرف آدم کی شراب (یعنی پانی) پیتا ہوں۔"

سرسید احمد خاں

ایک دفعہ سرسید ریل میں سوار تھے کسی اسٹیشن پر دو انگریز ان کی گاڑی میں آ بیٹھے' ان میں سے ایک پادری تھا' انہیں معلوم ہو گیا کہ سرسید احمد خاں یہی ہیں چنانچہ پادری نے سرسید سے کہا۔

" مدت سے آپ کی ملاقات کا اشتیاق تھا' میں آپ سے خدا کی باتیں کرنا چاہتا ہوں"۔

سرسید نے کہا" میں نہیں سمجھا آپ کس کی باتیں کرنا چاہتے ہیں ؟

اس نے کہا " خدا کی "

سرسید نے کمال سنجیدگی کے ساتھ کہا " میری تو ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی اس لئے میں ان کو نہیں جانتا "

پادری نے متعجب ہو کر کہا " ہیں ! آپ خدا کو نہیں جانتے ؟"

انہوں نے جواب دیا " مجھی پر کیا موقوف ہے' جس سے ملاقات نہ ہو اس کو کوئی بھی نہیں جانتا " پھر کسی شخص کا نام لے کر پوچھا " آپ انہیں جانتے ہیں ؟"

پادری نے کہا" نہیں ! میں ان سے کبھی نہیں ملا"

سرسید نے کہا " پھر جس سے میں کبھی نہ ملا ہوں' نہ میں نے کبھی اس کو اپنے ہاں کھانے پر بلایا ہو' نہ مجھ کو اس کے ہاں کھانے پر جانے کا اتفاق ہوا ہو' میں اس کو کیونکر جان سکتا ہوں ؟"

ایک بار مولانا عبدالماجد دریابادی بار بار مثنوی مولانا روم کا ذکر کر رہے تھے، آخر حضرت اکبر سے نہ رہا گیا، بول اُٹھے۔

کیوں صاحب! یہ فرمائیے کہ اللہ میاں بڑے ہیں یا مولانا روم؟"

مولانا نے جواب دیا ـــــ "اللہ میاں"

بولے میں آپ کی گفتگو سے یہ سمجھا تھا کہ شاید مولانا رومؒ بڑے ہیں، جب سے آپ آئے ہیں، بار بار انہیں کا ذکر کر رہے ہیں، اللہ میاں کا نام تک نہیں لیا ایک بار بھی نہیں لیا۔"

ایک کافی عمر رسیدہ مگر فیشن ایبل بزرگ بناؤ سنگار میں مصروف تھے، وہ اکبر کے بے تکلف دوستوں میں تھے مگر اکبر کو دیکھ کر جھینپ گئے

اکبر ایسے موقعوں پر کب چوکنے والے تھے مسکرا کر کہنے لگے ؎

مصروف ہیں حضور کس بند و بست میں
اپریل کی بہار نہ ہوگی اگست میں

غلطی کی، اگر کسی "دار دامن" آنا کا دودھ پلا دیتے تو آج یہ اُونٹنی کا دودھ کیوں تلاش کرنا پڑتا۔"

امک روز اکبر الہ آبادی خواجہ حسن نظامی کے ہاں مہمان تھے، دو طوائفیں خواجہ صاحب سے تعویذ لینے آئیں حضرت اکبر گاؤ تکیے سے لگے بیٹھے تھے، دفعتاً ان کے دونوں ہاتھ اُوپر کو اُٹھے اور اس طرح پھیل گئے، جیسے بچے کو گود میں لینے کے لئے پھیلتے ہیں اور بے ساختہ زبان سے نکلا " آئیے آئیے" اس کے بعد ۔

فقیروں کے گھر میں لُطف کی راتیں بھی آتی ہیں
زیارت کے لئے اکثر مسماتیں بھی آتی ہیں

میں تو خیال کرتا تھا یہاں صرف مرثیے نازل ہوتے ہیں لیکن آج تو حوریں بھی اُتر آئیں۔"

حکیم اجمل خاں وغیرہ نے اکبر الہ آبادی کی دعوت اُڑانے کے بعد کہا کہ "یہ نہر جمنا سے کاٹی گئی ہے" اکبر نے مذاق میں کہا: "انگریز بھی کاٹتے ہیں جمنا کی آزادی چھیں لی، مجھے معلوم نہ تھا کہ الہ آباد کی رئیس میں بھی سب سے پہلے جمنا مائی کا پانی کاٹ لیا جاتا ہے۔"

ایک صاحب بولے: "جمنا ہی کیا، پیران کلر کے پاس انگریزوں نے گنگا بھی کاٹ لی ہے اور اس کے بنانے والے کا نام کاٹلی ہے۔" حضرت اکبر نے فرمایا ع
"کاٹلی صاحب نے گنگا کاٹ لی"

۱۹۰۷ء میں امیر حبیب اللہ خاں والئی کابل ہندوستان آئے تو اکبرالہ آبادی نے لکھا ؎

اہل آتے ہیں جو کابل کے تو پڑتے ہیں سر کے حقے میں
امیر آئے تو ہم کو کیا مرے ہیں لارڈ منٹو کے

اسی طرح جب ترک موالات کی تحریک میں مسلمان بھی شامل ہو گئے تو آپ نے لکھا ؎

بدھو میاں بھی حضرت گاندھی کے ساتھ ہیں
گو خاک راہ ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں

اکبر کے مشہور ہو جانے پر بہت سے لوگوں نے ان کی شاگردی کا دعویٰ کر دیا۔ ایک صاحب کو دُور کی سوجھی اور انہوں نے خود کو اکبر کا استاد مشہور کر دیا۔ اکبر کو جب یہ اطلاع پہنچی کہ حیدرآباد میں ان کے ایک اُستاد کا ظہور ہوا ہے تو کہنے لگے "ہاں مولوی صاحب کا ارشاد سچ ہے، مجھے یاد پڑتا ہے، میرے بچپن میں ایک مولوی صاحب الہ آباد میں تھے وہ مجھے علم سکھاتے تھے اور میں اُن کو عقل، مگر دونو ناکام رہے، نہ مولوی صاحب کو عقل آئی اور نہ مجھ کو علم۔"

ایک دفعہ اکبر سخت بیمار تھے، جگر کی خرابی کی وجہ سے حکیموں نے تجویز کیا کہ اُونٹنی کا دودھ پیجئے، مُسکرا کر کہنے لگے۔

"بڑھاپے میں جگر کی خرابی مجھے شیرخوار سا رہی ہے، ماں باپ نے بچپن میں ہی

کی طبیعت میں گدگدی پیدا کر دی چنانچہ وہ کہنے لگے۔ "پنجاب میں نام بھی عجیب عجیب رکھے جاتے ہیں چراغ دین، گل محمد، گلزار محمد، سرکار کوٹ محمد" اور تھوڑی دیر تک سنتے رہے پھر وکیل صاحب کو لکھ بھیجا ــ

الف دین نے جب لکھی کتاب
کرم دین نے پائی راہِ صواب

ایک مرتبہ حضرت اکبر الہ آبادی کے دوست نے انہیں ایک ٹوپی دکھائی جس پر قل ہو اللہ کڑھا ہوا تھا آپ نے دیکھتے ہی فرمایا "بھئی بہت عمدہ ہے کسی دعوت میں کھانا ملنے میں دیر ہو جائے تو یہ ٹوپی پہن لیا کرو، سب سمجھ لیں گے کہ انتڑیاں قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں"

اکبر الہ آبادی کے کوئی عزیز بائیسکل سے گر پڑے، اور ہمہ کمر صاحب فراش رہے جب تندرست ہو کر ان کی خدمت میں گئے تو حضرت فرمانے لگے۔ "مزاجی مجھے کوئی قدامت پسند کہے یا قدامت پرست مجھے تو عہد حاضر کی اچھی سے اچھی ایجاد میں بھی نقصان دوسرے کے پہلو نظر آتے ہیں، خواہ موٹر ہو یا ہوائی جہاز اور بائیسکل تو مجسم روگ ہے، دیکھ لو، مرض "بائی" سے شروع ہوتا ہے پھر "سیک" ہوتا ہے، پھر "ل" ملتا ہے، یوں بائیسکل بنتا ہے

اکبر الہ آبادی

سرسید احمد خاں کو ۱۸۸۸ء میں گورمنٹ نے سی ایس آئی کا خطاب دیا۔ تو اکبر الہ آبادی نے ان پر پھبتی کسی ؎

فضل خدا سے یہ عزت پائی — آج ہوئے ہم سی ایس آئی
شیخ نہ سمجھے لفظ انگریزی — بولے ہوئے ہیں ہم عیسائی



ایک جوتا فروش اکبر الہ آبادی کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے جوتوں کی دکان کھول لی ہے، اس لئے کوئی شعر ہو جائے تو اکبر نے کہا ؎

شو میکری کی کھولی ہے ہم نے دوکاں آج
روٹی کو ہم کمائیں گے جوتوں کے زور سے



گوہر نامی طوائف نے اکبر الہ آبادی سے درخواست کی کہ کوئی شعر میرے لئے بھی ہو جائے، اکبر نے فی البدیہہ کہا ؎

خوش نصیب آج بھلا کون ہے گوہر کے سوا
سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے شوہر کے سوا



ایبٹ آباد کے ایک وکیل مولوی الف دین نے اپنی تصنیف کردہ ایک کتاب اکبر الہ آبادی کے پاس بھیجی الف دین نام کے عجب پن نے اکبر الہ آبادی

ایک دن مرزا غالب نجم الملک بہادر کو ملنے گئے جب غلام گردش میں پہنچے تو خدمتگار نے صاحب عالم کو اطلاع دی کہ مرزا نوشہ صاحب آرہے ہیں وہ کسی کام میں مصروف تھے "بلا لیجئے" مرزا غالب دیر تک ٹہلتے رہے صاحب عالم نے کچھ دیر کے بعد ملازم کو پکار کر فرمایا "ارے دیکھ، مرزا صاحب کہاں ہیں؟" مرزا صاحب نے وہیں سے جواب دیا "غلام، گردش میں ہے"



اور مرزا کی اس شوخی کا علم تو سب کو ہے کہ ایک بار کسی بنئے کا بہت سا قرض مرزا کے سر چڑھ گیا۔ اُسے جب روپیہ ملنے کی امید نہ رہی تو مجبوراً ڈگری کروا دی، بادشاہ کے دربار سے بلاوا آیا، مرزا خود تو نہ گئے البتہ حکمنامے کی پشت پر لکھ دیا ۔

قرض کی پیتے تھے مے اور سمجھتے تھے کہ ہاں،
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

بادشاہ نے یہ شعر پڑھا تو مسکرائے اور ڈگری کا روپیہ خزانے سے جاری کر دیا۔



"صاحب! باہر سے آجاتے ہیں۔"

مرزا صاحب کا نماز سے کس قدر تعلق تھا' اس کا کچھ اندازہ اس سے ہو جاتا ہے کہ ایک مرتبہ گھر جانے لگے تو دیکھا بیگم صاحبہ صحن میں مصلّا بچھائے نماز پڑھ رہی ہیں' مرزا صاحب نے یہ دیکھا تو دروازے پر ٹھہر گئے جب وہ نماز پڑھ چکیں تو آپ نے جوتا اتار کر سر پر رکھا اور ننگے پاؤں آہستہ آہستہ ڈرتے ہچکچاتے ہوئے صحن تک آئے' بیگم نے یہ حالت دیکھی تو مسکرا کر کہنے لگیں "یہ کیا ؟"

آپ نے جواب دیا "کچھ نہیں صرف آپ کے مصلّے کی تعظیم و تکریم ہے۔"

بیگم نے ذرا تشریح چاہی تو کہا۔ "اب تو سارا صحن مسجد ہو گیا پھر اگر کوئی قدم رکھے ' اور کرے تو کیا کرے ؟ اسلئے جوتا اتار کر سر پر رکھ لیا ہے۔"

ایک روز کسی سے کہنے لگے "کیوں صاحب! ہم تو مرد ہیں' ہمارا نماز پڑھنا ٹھیک ہے' ہم نماز پڑھتے ہیں تو اس لئے کہ حوریں ملیں غلماں ملیں' یہ عورتیں آخر کیوں نماز پڑھتی ہیں ؟ انہیں کس کی تلاش ہے ؟"

مرزا کی بیوی بیمار ہوئیں تو عیادت کو گئے۔ پوچھا "کیا حال ہے ؟"

بولی "مرتی ہوں" قرض کی فکر ہے 'کہ گردن پر لئے جاتی ہوں" آپ نے کہا "توبہ! بھلا یہ کیا فکر ہے ؟ خدا کے ہاں کیا مفتی صدرالدین خان بیٹھے ہیں جو ڈگری کر کے پکڑوا لیں گے۔"

"میاں مٹھو! نہ تمہارے جورو نہ بچے، تم کس فکر میں یوں سر جھکائے بیٹھے ہو۔"

ایک دفعہ مرزا مکان بدلنا چاہتے تھے، ایک مکان خود دیکھ کر آئے۔ اس کا دیوان خانہ تو پسند آ گیا مگر محل سرا خود نہ دیکھ سکے، گھر پر آ کر اس کے دیکھنے کے لئے بی بی کو بھیجا، وہ دیکھ کر آئیں تو ان سے پسند نا پسند کا حال پوچھا، انہوں نے کہا "اس میں تو لوگ بلا بتاتے ہیں" مرزا نے چونک کر جواب دیا "کیا دنیا میں آپ سے بھی بڑھ کر کوئی بلا ہے؟"

مرزا کی زندگی تو واقعی مصائب سے پُر تھی، نا پھر وہ حساس دل کے ہاتھوں تنگ تھے، چنانچہ آخری عمر میں موت کی آرزو بڑھ گئی تھی ہر سال اپنی تاریخ وفات نکالتے اور یہ خیال کرتے کہ اس سال ضرور مر جاؤں گا۔

۱۲۷۷ھ میں انہوں نے اپنے مرنے کی تاریخ یہ کہی "غالب مُرد"۔ اس سے پہلے کے مادے غلط ہو چکے تھے، منشی جواہر سنگھ جوہر نے مرزا سے اس مادے کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا "حضرت! انشاء اللہ یہ مادہ بھی غلط ثابت ہوگا" مرزا نے کہا "دیکھو صاحب! تم ایسی فال منہ سے نہ نکالو، اگر یہ مادہ مطابق نہ نکلا تو میں سر پھوڑ کر مر جاؤں گا۔"

ایک بار مرزا غالب اور ان کا ایک مہمان کسی دعوت سے رات کے وقت واپس آ رہے تھے، ایک تنگ گلی میں ایک گدھا کھڑا تھا، مہمان ٹھٹک کر بولا۔

"مرزا صاحب! دلّی میں گدھے بہت ہیں۔" مرزا صاحب نے فوراً جواب دیا

رخصت ہونے لگے تو مرزا خود اپنے ہاتھ میں شمعدان لے کر کھسکتے ہوئے لب فرش تک آئے تاکہ وہ روشنی میں جوتا دیکھ کر پہن لیں انہوں نے کہا "قبلہ وکعبہ، آپ نے کیوں تکلیف فرمائی میں اپنا جوتا پہن لیتا" اس پر مرزا نے کہا "میں آپ کا جوتا دکھانے کو شمعدان نہیں لایا بلکہ اس لئے لایا ہوں کہ کہیں آپ میرا جوتا نہ پہن جائیں"

عذر کے بعد مرزا کی پنشن بند تھی اور دربار میں شرکت کی اجازت نہ تھی ایک روز پنڈت موتی لال میر منشی لفٹیننٹ پنجاب مرزا سے ملنے آئے پنشن کا ذکر چلا تو مرزا نے کہا "تمام عمر میں اک دن شراب نہ پی ہو تو کافر اور ایک دفعہ نماز پڑھی ہو تو گنہگار، پھر میں نہیں جانتا کہ سرکار نے کس طرح مجھے باغی مسلمانوں میں شمار کر لیا"

ایک شام مرزا کو شراب نہ ملی تو نماز پڑھنے چلے گئے اتنے میں ان کا ایک شاگرد آیا اور اسے یہ معلوم ہوا کہ مرزا کو آج شراب نہیں ملی چنانچہ وہ مسجد کے سامنے پہنچا اور وہاں سے بوتل دکھائی، مرزا وضو کرنے کے بعد مسجد سے نکلنے لگے تو کسی نے کہا، "کیا، کہ بغیر نماز پڑھے چل دئے" انہوں نے کہا "جس چیز کے لئے دعا مانگی تھی وہ تو یونہی مل گئی"

جاڑے کے موسم میں ایک دن طوطے کا پنجرا سامنے رکھا تھا طوطا سردی کے سبب پروں میں منہ چھپائے بیٹھا تھا، مرزا نے دیکھا تو کہا۔

سے منگواتے ہیں، باہر سے دُور دُور کا آم بطور سوغات آتا تھا، مگر مرزا کا جی نہ بھرتا۔ ایک محفل میں مولانا فضل حق اور دیگر احباب میٹھے آموں کی تعریف کر رہے تھے، جب سب لوگ اپنی اپنی رائے ہانک چکے تو مولانا فضل حق نے مرزا سے کہا کہ تم بھی اپنی رائے بیان کرو۔ مرزا نے کہا "بھئی میرے نزدیک تو آم میں صرف دو باتیں ہونی چاہئیں، میٹھا ہو اور بہت ہو" اس پر سب حاضرین کھلکھلا کر ہنس پڑے۔



ایک دفعہ رات کو پلنگ پر لیٹے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے، تاروں کی ظاہری بے ربطی اور انتشار دیکھ کر بولے "جو کام خود رائی سے کیا جاتا ہے اکثر بے ڈھنگا ہوتا ہے، ستاروں کو دیکھو کس ابتری سے بکھرے ہوتے ہیں، نہ تناسب ہے، نہ انتظام نہ بیل ہے نہ بوٹا مگر بادشاہ خود مختار ہے، کوئی دم نہیں مار سکتا۔"



ایک روز میر مہدی مجروح مرزا کے پاس آئے، مرزا پلنگ پر پڑے کراہ رہے تھے، میر مہدی پاؤں دابنے لگے، مرزا نے کہا "بھئی تو سیّد زادہ ہے، مجھے کیوں گنہگار کرتا ہے" انہوں نے نہ مانا اور کہا "اگر آپ کو ایسا ہی خیال ہے تو پیر دابنے کی اُجرت دے دیجئے گا۔" مرزا نے کہا "ہاں اس کا مضائقہ نہیں" جب وہ پیر داب چکے تو انہوں نے اُجرت طلب کی، مرزا نے کہا "بھیّا کیسی اُجرت، تم نے میرے پاؤں دابے، میں نے تمہارے پیسے دابے، حساب برابر ہوا۔"



ایک رات سید سردار مرزا کے ہاں تشریف لائے، جب تھوڑی کے بعد

ماں کی گالی دیتا ہے اس سے زیادہ کون بے وقوف ہوگا۔"

ایک روز بہادر شاہ ظفر اپنے چند مصاحبوں کے ساتھ باغ میں ٹہل رہے تھے۔ مرزا بھی ساتھ تھے۔ اس باغ کو آم سوائے بادشاہ یا بیگمات کے اور کسی کو میسر نہ آسکتا تھا۔ مرزا بار بار آموں کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے۔ بادشاہ نے پوچھا "مرزا اس قدر غور سے کیا دیکھ رہے ہو؟" عرض کی "پیر و مرشد! یہ جو کسی نے کہا ہے ؎

بر سر ہر دانہ بنوشتہ عیاں
کیں فلاں ابن فلاں ابن فلاں

میں دیکھ رہا ہوں کہ کسی دانے پر میرے نام کی مہر بھی ہے۔"
بادشاہ مسکرائے اور اسی روز آموں کا ایک ٹوکرا مرزا کے ہاں بھجوا دیا۔

مرزا صاحب کے دوستوں میں سے حکیم رضی الدین خاں کو آم نہیں بھاتے تھے۔ ایک دن وہ مرزا کے مکان پر برآمدے میں بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک کمہار اپنے گدھے لے کر گزرا۔ گلی میں آم کے چھلکے پڑے ہوئے تھے۔ گدھے نے انہیں سونگھا اور چھوڑ دیا۔ اس پر حکیم صاحب چہک کر بولے۔
"دیکھئے آم ایسی شے ہے جسے گدھا بھی نہیں کھاتا۔" مرزا صاحب نے جواب دیا "بے شک گدھا آم نہیں کھاتا۔"

مرزا آموں سے کبھی سیر طبیعت نہ ہوئے تھے۔ اہل شہر تحفتہً بھیجتے، مرزا خود بازار

مرزا نے ایک کتاب "قاطع برہان" لکھی، اس کا جواب اکثر مصنفوں نے دیا، ان میں
سے بعض کے جواب مرزا نے بھی لکھے، اور ان میں بھی زیادہ تر شوخی اور ظرافت سے کام
لیا۔ ایک مولوی امین الدین کی کتاب "قاطع قاطع" کا جواب مرزا نے کچھ نہیں دیا کیونکہ
اس میں فحش اور ناشائستہ الفاظ کثرت سے لکھے تھے۔ کسی نے کہا "حضرت آپ نے
اس کا کچھ جواب نہیں لکھا"
مرزا نے جواب دیا، "اگر کوئی گدھا تمہارے لات مارے تو کیا تم بھی اس کے
لات مارو گے؟"

ایک روز مرزا غالب اور مولانا حالی دسترخوان پر بیٹھے تھے کہ ڈاکیا ایک لفافہ
دے گیا۔ لفافہ کی بے ربطی اور کاتب کے نام کی اجنبیت سے ان کو یقین ہو گیا کہ
کسی مخالف کا ویسا ہی گمنام خط ہے جیسے پہلے آتے رہتے ہیں۔ حالی لکھتے ہیں کہ مرزا
نے یہ خط مجھے دیا اور کہا کہ اسے کھول کر پڑھو۔ میں جو دیکھتا ہوں تو فی الحقیقت سارا
خط فحش دشنام سے بھرا ہوا تھا۔ پوچھا کس کا خط آیا ہے اور کیا لکھا ہے؟ مجھے اس کے
اظہار میں تامل ہوا۔ مرزا نے فوراً میرے ہاتھ سے لفافہ چھین لیا اور فرمایا "شاید آپ کے
کسی شاگرد کا لکھا ہوا ہے؟"
پھر اول سے آخر تک پڑھنے کے بعد کہا "اس الو کو گالی بھی نہیں دینا آتی۔
بڈھے آدمی کو بیٹی کی گالی دیتے ہیں کیونکہ اس کو غیرت آئے۔ جوان کو جورو کی گالی
دیتے ہیں کیونکہ اس کو جورو سے زیادہ تعلق ہوتا ہے۔ بچے کو ماں کی گالی دیتے ہیں کیونکہ
وہ ماں سے برابر کسی سے زیادہ مانوس نہیں ہوتا۔ یہ قرم ساق جو بہتر برس کے بڈھے کو

مرزا صاحب نے کہا "حضرت! خدا نے مجھے آپ کے سپرد کیا ہے آپ پھر اُلٹا مجھ کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔"



مرزا کی بیٹھک ایک چھوٹا سا تنگ کمرہ تھا جس کا دروازہ بھی بہت چھوٹا تھا یوں وہ ایک قید خانہ زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ ایک بار رمضان کے مہینے میں مفتی صدر الدین آزردہ ٹھیک دوپہر کے وقت مرزا سے ملنے آئے اسی وقت مرزا اپنے کسی دوست کے ساتھ چوسر کھیل رہے تھے۔ آزردہ انہیں دیکھ کر کہنے لگے کہ ہم نے حدیث میں پڑھا تھا، رمضان کے مہینے میں شیطان قید ہوتا ہے مگر آج حدیث کی صحت میں تردد پیدا ہو گیا۔ مرزا نے کہا "قبلہ! حدیث بالکل صحیح ہے مگر آپ کو معلوم ہو کہ وہ جگہ جہاں شیطان قید رہتا ہے، یہی تو ہے۔"



ایک روز دوپہر کا کھانا آیا اور دسترخوان بچھا، برتن تو بہت تھے لیکن کھانا نہایت قلیل تھا۔ مرزا نے مسکرا کر کہا "اگر برتنوں کی کثرت پر خیال کیجئے تو میرا دسترخوان یزید کا دسترخوان معلوم ہوتا ہے اور جو کھانے کی تعداد کو دیکھئے تو بایزید کا۔"



رمضان کا مہینہ تھا، ایک مولوی مرزا سے ملنے آئے۔ عصر کا وقت تھا۔ مرزا نے خدمتگار سے پانی مانگا۔ مولوی صاحب نے تعجب سے کہا کیا جناب کا روزہ نہیں ہے۔ مرزا نے کہا "شیعہ مسلمان ہوں چار گھڑی دن رہے تو روزہ کھول دیتا ہوں۔"



ایک وہ ہیں کہ دو دو بار اُن کی بیڑیاں کٹ چکی ہیں اور ایک ہم ہیں کہ ایک اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندہ گلے میں پڑا ہے تو نہ پھندہ ہی ٹوٹتا ہے نہ دم ہی نکلتا ہے اس کو سمجھاؤ کہ بھائی میرے بچوں کو میں پال لوں گا تو کیوں بلا میں پھنستا ہے۔"



ایک دفعہ شہر میں سخت وبا پھیلی، میر مہدی مجروح نے پوچھ بھیجا کہ حضرت! وبا شہر سے دفع ہوئی یا ابھی تک موجود ہے، اس کے جواب میں لکھتے میں بھئی کیسی وبا جب ایک ستر برس کے بڈھے اور ستر برس کی بڑھیا نہ مار سکی، تو تف بر وبا؟



ایک بار مرزا نے بادشاہ کو ایک غزل سنائی جس کا مقطع ہے —

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب

تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

بادشاہ نے یہ مقطع سُن کر کہا "بھئی ہم تو جب بھی ایسا نہ سمجھتے"۔

مرزا نے کہا "حضور تو اب بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں مگر یہ اس لیے ارشاد ہوا ہے کہ میں اپنی ولایت پر مغرور نہ ہو جاؤں۔"



ایک روز مرزا برآمدے میں بیٹھے شراب پی رہے تھے، بارش ہو رہی تھی کسی نے کہا "بارش بہت ہوتی ہے" مرزا نے جواب دیا۔

"میں تو جب جانوں کہ پانی چبوترے کے اوپر آجائے" ساتھی نے عرض کی۔

"حضرت! اتنے میں تو تمام دلّی ڈوب جائے گی۔"

گذر رہا اور میں سلام کو حاضر نہ ہوں۔"

جب یہ رقعہ نواب صاحب کے پاس پہنچا تو وہ بہت شرمندہ ہوئے اور اسی وقت گاڑی میں سوار ہو کر مرزا صاحب کو ملنے چلے آئے۔



نواب علاؤالدین کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں ع

مدعا مرگ ولے مدعا ترا گماں تو مست

مکرر لکھ چکا ہوں کہ قصائد کا مسودہ میرے پاس نہیں رہتا مکرر لکھ چکا ہوں کہ مجھے یاد نہیں کہ کونسی رباعیاں مانگتے ہو، پھر لکھتے ہو رباعیاں بھیج، قصیدہ بھیج یعنی اس کے یہ کہ تو جھوٹا ہے، اب کے تو مکرر لکھے گا۔

بھائی قرآن کی قسم، انجیل کی قسم، توریت کی قسم، زبور کی قسم، ہنود کے چار وید کی قسم، دساتیر کی قسم، ژند کی قسم، اوستا کی قسم، گرو کے گرنتھ کی قسم، میرے پاس نہ قصیدہ، نہ مجھے وہ رباعیاں یاد، کلیات کے باب میں جو عرض کر چکا ہوں ع

ما ہمانیم کہ ہستیم و ہماں خواہد بود



مرزا صاحب شادی کو سخت مصیبت قرار دیتے تھے، کسی نے ان کے ایک شاگرد امراؤ سنگھ کی دوسری بیوی مرنے کا حال لکھا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اس کے ننھے ننھے بچے ہیں، اب اگر تیسری شادی نہ کرے تو کیا کرے اور بچوں کی کس طرح پرورش ہو۔ مرزا اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔

" امراؤ سنگھ کے حال پر اس کے واسطے رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے اللہ اللہ

خط کا جواب ۱۸۵۹ء میں بھیجتے ہو۔ اور مزہ یہ کہ جب تم سے کہا جائے گا تو یہ کہو گے کہ میں نے تو دوسرے ہی دن جواب لکھا ہے۔

اپنے روزوں کے بارے میں ایک دوست کو لکھتے ہیں

"دھوپ بہت تیز ہے۔ روزہ رکھتا ہوں مگر روزے کو بہلاتا رہتا ہوں۔ کبھی پانی پی لیا، کبھی حقہ پی لیا، کبھی کوئی ٹکڑا روٹی کا کھا لیا۔ یہاں کے لوگ عجب فہم رکھتے ہیں، میں تو روزہ بہلاتا ہوں اور یہ صاحب فرماتے ہیں کہ تو روزہ نہیں رکھتا۔ یہ نہیں سمجھتے کہ روزہ نہ رکھنا اور چیز ہے اور روزہ بہلانا اور چیز ہے۔"

مرزا صاحب کی پنشن بند ہوئی تو لوگوں نے احوال پرسی کے خطوں کا تانتا باندھ دیا۔ ایک بار میر مہدی نے اسی مضمون کا خط بھیجا تو جواب میں مرزا نے لکھا

"میاں! بے رزق جینے کا ڈھب مجھ کو آ گیا ہے، اس طرف سے خاطر جمع رکھنا۔ رمضان کا مہینہ روزے کھا کھا کر کاٹا، آگے خدا رازق ہے۔ کچھ اور کھانے کو نہ ملا تو غم تو ہے۔"

ایک روز دلوان فضل الرحمان بگھی میں سوار مرزا کے مکان کے پاس سے اہلیں ملے بغیر گزر گئے۔ مرزا کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے اس مضمون کا رقعہ دلوان جی کو لکھ بھیجا۔ "آج مجھ کو اس قدر ندامت ہوئی ہے کہ شرم کے مارے زمین میں گڑا جاتا ہوں اس سے زیادہ اور کیا نالائقی ہو سکتی ہے کہ آپ کبھی کبھی تو اس طرف سے

میرزا غالب

میرزا غالب طبعاً زندہ دل اور خوش مزاج تھے۔ ان کی یہ خوش مزاجی ان کے خطوں میں بھی جھلکتی تھی۔ تنگدستی کے دنوں میں جب بیٹھے وغیرہ بند تھی اور پینے پلانے کا ساماں مہیا نہیں تھا۔ اپنے ایک خط میں اپنی حالت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"میر مہدی! صبح کا وقت ہے، جاڑا خوب پڑ رہا ہے، انگیٹھی سامنے رکھی ہوئی ہے دو حرف لکھتا ہوں، ہاتھ تاپتا جاتا ہوں۔ آگ میں گرمی سہی مگر وہ آتش سیّال کہاں کہ جب دو جرعے پی لئے فوراً رگ و پے میں دوڑ گئی، دل توانا ہو گیا، دماغ روشن ہو گیا نفس ناطقہ کو تواجد بہم پہنچا، ساقیٔ کوثر کا بندہ اور تشنہ لب، ہائے غضب! ہائے غضب!"

ایک خط میں برسات کی شدت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"دیوان خانے کا حال محل سرا سے بدتر ہے۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا فقدانِ راحت سے گھبرا گیا ہوں، چھت چھلنی ہو گئی ہے، ابر دو گھنٹے برسے تو چھت چار گھنٹے برستی ہے۔"

ایک دوست کو دسمبر ۱۸۵۸ء کی آخری تاریخوں میں خط لکھا۔ انہوں نے اس کا جواب جنوری ۱۸۵۹ء کی پہلی تاریخ کو دیا۔ اس کے جواب میں غالب انہیں لکھتے ہیں ـــ "دیکھو صاحب! یہ باتیں ہم کو پسند نہیں، ۱۸۵۸ء کے

"حضرت آج میں امیر خسرو کی قبر پر گیا تھا۔ مزار پر کھرنی کا درخت ہے اس کی کھرنیاں میں نے خوب کھائیں۔ کھرنیوں کا کھانا تھا کہ فصاحت و بلاغت کا دروازہ کھل گیا۔ دیکھیے میں کیسا فصیح و بلیغ ہو گیا ہوں۔

میرزا صاحب چونک کر بولے۔

"ارے میاں تین کوس کیوں گئے، میرے پچھواڑے کے پیپل کی پیپلیاں کیوں نہ کھالیں، جو چودہ طبق روشن ہو جاتے۔"

ایک بار اپنے شاگردوں سے کہنے لگے۔

"جب میں مر جاؤں تو کہیں سے بڑا بکس لانا اور اس میں مجھ کو لپیٹ کر رکھ دینا"

شاگردوں نے پوچھا "اس سے کیا فائدہ؟"

میرزا نے جواب دیا "جب منکر نکیر آئیں گے تو بڑا بکس دیکھ کر سوال و جواب کے بغیر ہی پلٹ جائیں۔"

ایک روز کسی صحبت و شعر و سخن میں مولانا صہبائی کا ذکر آیا مرزا نے کہا کہ مولانا نے بھی کیا عجیب و غریب تخلص رکھا ہے، عمر بھر میں ایک چلو بھی نصیب نہیں ہوئی اور صہبائی تخلص رکھا ہے، سبحان اللہ قربان جائیے اس اتقا کے اور صدقے جائیے اس تخلص کے۔

11,209

میرزا نے حضرت صاحب عالم مارہروی سے ان کا سن ولادت دریافت کیا انہوں نے کہا کہ میرا سال ولادت لفظ تاریخ سے نکلتا ہے جس کا عدد ۱۲۱۱ھ ہے میرزا کی ولادت ۱۲۱۲ھ میں واقع ہوئی تھی، چنانچہ اس کے جواب میں میرزا نے یہ شعر لکھ بھیجا ؎

ہاتف غیب سن کر یہ چیخا
اس کی تاریخ مرزا تاریخا

سردیوں کے دن تھے، ایک نواب صاحب مرزا کے ہاں تشریف لائے مرزا نے ایک گلاس شراب سے بھر کر ان کے آگے رکھ دیا
نواب صاحب بولے "میں توبہ کر چکا ہوں۔
مرزا صاحب نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا،
"کیا جاڑے میں بھی؟"

مرزا کے ایک شاگرد نے ان سے کہا

مولوی صاحب فرمانے لگے

"اگر جہنم میں بھی اُردو کی حمایت اور نصرت میں کوئی جلسہ منعقد ہو تو میں وہاں بھی خوشی سے جانے کو موجود ہوں"

مولانا ابوالکلام آزاد بھی جیل (الہ آباد) میں قید تھے۔ اس زمانے کا ایک مزیدار لطیفہ انہی کی زبانی سنئے

"جیل میں میری کوٹھڑی کے عین سامنے ایک دوسری کوٹھڑی کے عین سامنے ایک دوسری کوٹھڑی میں کوئی چینی قیدی رہتا تھا مگر زبان کی بیگانگی کے باعث ہم دونوں آپس میں بات چیت نہیں کر سکتے تھے، ایک دوسرے کا منہ تک کر رہ جاتے ع

زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم

اس چینی کو یہ معلوم نہ تھا کہ میں کس جرم میں ماخوذ ہوں' غالباً سوچتا رہتا ہوگا' آخر ایک دن اس سے رہا نہ گیا' میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور اپنا ہاتھ لہرانے لگا' یعنی یہاں کیسے آئے ہو؟ میں کیا جواب دیتا' خاموش رہا' تو اس نے پوچھا "اوپیم؟" "یعنی کیا افیم کے معاملے میں پکڑے گئے ہو؟"

میں نے نفی میں سر ہلایا تو اس نے اپنے ہاتھ کو اپنے گلے پر چھری کی طرح پھیرا' یعنی کسی کو قتل کیا ہے؟ میں نے پھر سر ہلایا' تو آخر اس نے پوچھا "کاندھی؟" اس پر میں نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ بالکل مطمئن ہو گیا' گویا اس کے نزدیک کاندھی بھی ناجائز افیوں اور قتل کی طرح جرائم میں داخل ہے

جب کانگرس نے نمک سازی کی تحریک شروع کی اور گاندھی جی نے مولانا محمد علی جوہر کو بھی نمک سازی اور سول نافرمانی کی تحریک میں حصہ لینے کی دعوت دی تو مولانا نے فرمایا "میں کیا نمک سازوں گا، قوم کے غم میں دس سال سے شکر جو سار رہا ہوں۔"
(مولانا کو ذیابیطس کا عارضہ تھا)

11,209
28/11/62

شملہ کی دعوت میں جہاں سب اُونچے اور سرکاری طبقے کے افراد موجود تھے، مولانا محمد علی جوہر بھی اپنے فقیرانہ لباس میں وہاں موجود تھے۔ گفتگو اُردو زبان میں ہو رہی تھی، کسی بات پر اُٹھ کر مولانا نے انگریزی میں بولنا شروع کر دیا، اس کوں ان کے سامنے ٹکتا، وہاں ایک ہندو رانی بھی موجود تھیں ان سے نہ رہا گیا، ایک مولوی صاحب کو یوں فرفر انگریزی بولتے دیکھ کر پوچھ بیٹھیں
"مولانا آپ نے اتنی اچھی انگریزی کہاں سے سیکھی ہے؟"
مولانا نے جواب دیا "میں نے یہ انگریزی ایک معمولی سے قصبے میں سیکھی ہے"
رانی نے حیرت زدہ لہجہ میں پوچھا "کیا نام ہے اس قصبے کا؟"
مولانا نے بہت سادگی سے جواب دیا "آکسفورڈ"
مولانا کے اس جواب پر ساری محفل زعفران زار بن گئی۔



جب مولوی عبدالحق اورنگ آباد سے انجمن ترقی اُردو کا دفتر دلی لے آئے تو شیخ محمد اسماعیل پانی پتی ان سے دریا گنج میں ملے اور کہا "اگر پانی پت میں اُردو کی ترویج و اشاعت کے لئے کوئی جلسہ کیا جائے تو کیا آپ تشریف لے آئیں گے؟

سلیم سُن کر پھڑک اُٹھے اور کہنے لگے " مولانا! واللہ جادو ہے۔"
مولانا کے بالاخانے کے نیچے ایک کوٹھڑی تھی جو مولانا نے ایک مجذوب فقیر کو رہنے کے لئے دے دی تھی وہ مجذوب باہر گلی میں بیٹھا دھوپ سینک رہا تھا جب اس کے کان میں یہ مصرعہ پڑا تو بے اختیار چلا اُٹھا " جادو برحق، کرنے والا کافر" مولانا نے مسکرا کر سلیم صاحب سے کہا۔
" لیجئے مولوی صاحب، سرٹیفکیٹ مل گیا"



ایک روز مولانا فضل الحسن سہارنپوری طلبا کو فلسفہ کا درس دے رہے تھے کہ انسان کا جیال اضطراری ہے، اختیاری نہیں، ہر بات اور ہر شے کا معیار ارادہ کے حالی کے سپرد جاتا ہے
درس کے بعد طلباء کو لیکر مسجد سے نکلے راہ میں ایک جگہ ناچ ہو رہا تھا اور بہت سے آدمی جمع تھے، آپ علم و فضل کے باوجود بہانے رنگین مزاج واقع ہوئے تھے، چنانچہ طلباء کو چھوڑ کر ناچ دیکھنے میں مصروف ہو گئے، طلباء نے جو یہ دیکھا تو بڑے حیران ہو کر کہنے لگے
" مولانا! کہاں یہ علم و فضل اور کہاں یہ ناچ رنگ، یہ حرکت آپ کی شان کے شایاں نہیں"
مولانا نے جواب دیا " ابھی تو پڑھ کر آئے ہو انسان کا جال اضطراری ہے اختیاری نہیں، پھر مجھ پر اعتراض کیوں کرتے ہو، جاؤ اپنا کام کرو اور مجھے ناچ سے لطف اٹھانے دو۔

اتفاق سے ایک کساں آگیا، رئیس صاحب نے کہا، یہ بزرگ جو آرام کر رہے ہیں اُن کو پنکھا جھل، وہ بچارہ پنکھا جھلنے لگا، تھوڑی دیر بعد اس نے آہستہ سے رئیس صاحب سے پوچھا "یہ بزرگ کون ہیں؟ رئیس صاحب نے جواب دیا "کم بخت اتواں بزرگ کو نہیں جانتا، حالانکہ سارے ہندوستان میں ان کا شہرہ ہو رہا ہے، یہ مولوی حالی ہیں" اس پر غریب کساں نے بڑے تعجب سے کہا "جی ابھی حالی بھی مولوی ہوئے ہیں؟ (دہ کساں حالی کو ہالی یعنی ہل چلانے والا سمجھا" مولانا یہ سُن کر پھڑک اُٹھے، فوراً اُٹھ کر رئیس سے کہنے لگے "حضرت اس تخلص کی داد آج ملی ہے۔"



ایک بار مولوی محمد یحییٰ تنہا نے مولانا حالی کو اپنی شادی میں پانی پت بلایا، شادی کے بعد مولانا حالی، مولوی محمد اسماعیل میرٹھی اور بعض دوسرے بزرگ بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے تھے، اسماعیل میرٹھی مُسکراتے ہوئے تنہا صاحب سے بولے، اب آپ اپنا تخلص بدل دیں کیونکہ اب آپ تنہا نہیں رہے۔"

اس پر مولانا حالی نے فرمایا کہ "نہیں مولوی صاحب، یہ بات نہیں، تن ہا تو یہ ابھی ہوئے ہیں۔" اس جودت طبع پر تمام مجلس حیران رہ گئی۔



مولانا حالی کے معالج دوستوں میں مولوی وحیدالدین سلیم تھے، جب یہ پانی پت روانہ ہوتے تو روزانہ مولانا حالی کے پاس جاکر گھنٹوں بیٹھا کرتے تھے، ایک روز صبح ہی صبح پہنچے، مولانا نے رات کو کوئی غزل کہی تھی، وہ انکو سنائی

نے فرمایا "کتاب تو بڑی اچھی ہے لیکن اس کی جلد سؤر کے چمڑے کی ہے۔"
مولوی صاحب نے یہ الفاظ سنے تو لاحول پڑھتے ہوئے فوراً پیچھے ہٹ گئے
اور کتاب لینے سے انکار کر دیا۔



محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک سالانہ جلسے میں مولوی رضی الدین بسمل
نے اپنی ایک بڑی دردانگیز قومی نظم حاضرین جلسہ کو سنائی سامعین پر رقت
طاری ہوگئی نظم کے خاتمہ پر نواب محسن الملک نے اُٹھ کر کہا "مولوی رضی الدین
صاحب نے اپنا تخلص تو بسمل رکھا ہے، مگر نظم ایسی سنائی کہ دوسروں کو بسمل کر دیا"



شمس العلماء مولانا ذکاء اللہ وقت کے بڑے پابند تھے، ان کا معمول تھا کہ
روزانہ دن کے ٹھیک نو بجے اپنے گھر سے نکل کر کہیں جایا کرتے تھے، مولوی صاحب
دہلی کے کوچہ چیلاں میں رہتے تھے، ایک دن جو باہر نکلے تو سرسید کے لڑکے سید
محمود گھڑی لیے اپنے مکان کے آگے ان کے انتظار میں ٹہلتے نظر آئے، مولانا نے
پوچھا "میاں آپ یہاں کیوں ٹہل رہے ہو؟" سید محمود نے جواب دیا "جی ابھی گھڑی
کو چابی دینا بھول گیا تھا اس لئے وہ بند ہوگئی، میں اب آپ کے انتظار میں ٹہل
رہا تھا تاکہ اپنی گھڑی درست کر لوں۔"



ایک مرتبہ مولانا حالی سہارنپور گئے اور وہاں کے ایک معتبر رئیس رسالدار
کے پاس ٹھہرے، گرمی کے دن تھے اور مولانا کمرے میں لیٹے ہوئے تھے اسی وقت

کہنے میں کوئی مضائقہ ہے لوے شک اجمیر تشریف کہنا بھی درست نہیں "



دلی میں ایجوکیشنل کانفرنس ہو رہی تھی اور نذیر احمد تقریر کر رہے تھے' اسے میں لارڈ کچر تشریف لائے' مولوی صاحب چند منٹ تقریر کر کے بیٹھ گئے' تھوڑی دیر کے بعد جب لارڈ صاحب رخصت ہوئے تو مولوی صاحب پھر تقریر کرنے کھڑے ہوئے اور اس آیت کے ساتھ تقریر شروع کی

وجاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا

" حق آیا اور باطل چلا گیا بیشک باطل کو چلا جانا ہے"

لارڈ کچر عربی جانتے تھے۔ سمجھ گئے کہ بڈھے نے کیا خوب چوٹ کی ہے ۔



مولانا عبدالحلیم شرر کا ناول " بدرالنساء کی مصیبت" شائع ہوا تو خواجہ حسن نظامی نے ڈپٹی نذیر احمد سے پوچھا " حضرت پردے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے ؟ ڈپٹی صاحب نے فرمایا " کس کے پردے کے متعلق جواب دوں' زمانہ وہ آگیا ہے کہ اب تو لڑکوں کو بھی پردہ کرانا چاہیے "



ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے پاس عربی کی ایک کتاب تھی' دلی کے ایک مولوی صاحب اس کتاب کو دیکھنے کے شائق تھے' تعلقات کچھ اس قسم کے تھے کہ ڈپٹی صاحب نہ انکار کر تے نہ دینا چاہتے تھے' مولوی صاحب کے اصرار پر آخر انہیں ایک دن کتاب دینی پڑی کتاب مولوی صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے ڈپٹی صاحب

جا بارے

ایک بار استاد ذوق یہ قصیدہ لکھ رہے تھے ع

شب کو میں اپنے سر بستر خواب راحت

اتنے میں ایک چڑیا آکر ان کے سر پہ بیٹھ گئی، یہ عالم محویت میں بیٹھے رہے کچھ پتہ چلا تو اسے اڑا دیا، وہ پھر آن کر بیٹھ گئی، پھر اڑایا، پھر آ بیٹھی، قریب ہی حافظ ویران بیٹھے تھے، حافظ صاحب نابینا تھے، پوچھا "کیا ہے؟" ذوق نے حال بیان کیا تو ویران بولے "ہمارے سر پہ نہیں بیٹھتی؟" انھوں نے جواب دیا "کیونکر بیٹھے؟ جانتی ہے کہ یہ مُلّا ہے عالم ہے، حافظ ہے ابھی بسم اللہ اللہ اکبر کر دیگا دیوانی ہے، جو تمہارے سر پہ آئے؟"

امیر مینائی کو جب ان کے ایک ہم عصر نے اپنا یہ شعر سنایا ؎

بے حجاب اس کو کیا شوخی نے مری جہل میں
ایک بات ایسی کہی جامے سے باہر ہو گیا

تو امیر مینائی نے بے ساختہ کہا، غالباً آپ نے انھیں ٹڑی ہی کہہ دیا ہوگا۔

ایک مرتبہ علماء میں بحث چل نکلی کہ اجمیر شریف، تونسہ شریف، بغداد شریف کہنا جائز ہے یا ناجائز، بعض علماء اس کے موافق تھے اور بعض مخالف، ایک شخص نے مولوی نذیر احمد سے بھی فتوے طلب کیا انھوں نے جواب دیا "اگر مزاج شریف

پیچھے پیچھے ٹٹولتے ہوئے بھاگتے رہے



ایک دن کوئی صاحب ناسخ سے ملاقات کو آئے ان کے ہاتھ میں چھڑی تھی اتفاقاً ناؤں کے آگے ایک مٹی کا ڈھیلا پڑا تھا، شغل بیکاری سے مگن آکر آہستہ آہستہ چھڑی کی نوک سے توڑنے لگے، ناسخ نے دیکھا تو انہیں بے حد ناگوار گزرا، نوکر کو آواز دی اور فرمایا "میاں ایک ٹوکری مٹی کے ڈھیلوں کی بھر کر ان کے سامنے رکھدو، دل لگاکر شوق پورا کریں"
وہ صاحب شرمندہ ہوکر رہ گئے۔



ایک بار ایک شخص نے شیشے کے تین چمچے ناسخ کی خدمت میں پیش کئے، اسی میں ایک امیر صاحبزادے آئے چمچوں کو اٹھاکر الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے، تعریف کے بعد خراد خر کی تاس کرنے رہے ساتھ ہی آپ چمچے سے کھیلنے لگے، تیسیئے کی بساط ہی کیا تھی ٹھیس زیادہ لگی اور ٹوٹ گیا ناسخ نے جھٹ دوسرا چمچہ اٹھاکر سامنے رکھ دیا اور کہا "اب اس سے شغل فرمائیے"



ایک شخص نے امام بخش ناسخ کو سخت تنگ کیا، تو نوکر کو بلاکر صندوقچہ منگایا اس میں سے مکان کی بابت نکال کر اس کے حوالے کیں اور نوکر سے کہا
"بھائی مزدوروں کو بلالو اور اسباب اٹھواکر لے چلو"
"دیکھتے کیا ہو، مکان پہلے قبضہ کر چکے، اسباب ہو کہ اسباب بھی ہاتھ سے

۵ سر لگا دیں ابروئے خم دار کی قیمت میں آج
اس ضعیفی میں یہاں تک شوق ہے تلوار سے

ایک دن معمولی دربار تھا استاد ذوق موجود تھے، ایک شہزادہ آیا۔ اور بادشاہ کے کان میں آہستہ سے کچھ کہہ کر چلا گیا، حکیم احسن اللہ نے عرض کیا۔
"نہ آیا تھا اور جانا کیا تھا" بادشاہ کے منہ سے نکلا
"اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے" اور پھر استاد کی طرف دیکھنے لگے، استاد ذوق نے فوراً شعر مکمل کر دیا ؎

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

جرأت اندھے شاعر تھے ایک روز بیٹھے ہوئے فکر سخن کر رہے تھے کہ انشا چلے آئے انہیں محو پایا تو پوچھا "حضرت کس سوچ میں ہیں؟"
جرأت نے کہا "کچھ نہیں بس ایک مصرعہ ہوا ہے شعر مکمل کرنے کی سوچ رہا ہوں" انشا نے عرض کیا "کچھ ہمیں بھی پتہ چلے"
جرأت نے کہا "نہیں، تم گرہ لگا کر اسے مجھ سے چھین لوگے" آخر بڑے اصرار کے بعد بتایا مصرعہ یہ تھا "اس زلف پہ پھبتی شب دیجور کی سوجھی"
انشا نے فوراً گرہ لگائی "اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی"
جرأت لاٹھی اٹھا کر انشا کی طرف لپکے دیر تک انشا آگے آگے اور جرا

ان صاحب نے سادہ لوحی سے جواب دیا "آپ نماز پڑھ رہے تھے اسلئے"
داغ نے برجستہ کہا "حضرت! میں نماز ہی پڑھ رہا تھا کوئی لاحول تو نہیں پڑھ رہا تھا"



حضرت داغ شعر کہہ رہے تھے ان کی روانی اور برجستگی دیکھ کر مضطر خاں عارف نے کہا "خدا جانے آپ کس طرح شعر کہتے ہیں، ذرا سی دیر نہیں ہوتی اور آپ شعر کہہ دیتے ہیں؟"

داغ نے پوچھا "بھئی تم شعر کس طرح کہتے ہو؟"

عارف نے جواب دیا "حضرت! ہم لوگ خاص وقت پلنگ پر لیٹ کر حقہ سامنے رکھ کر فکرِ سخن کیا کرتے ہیں کبھی اس طرف کروٹ لی کبھی اس طرف، کبھی لیٹے کبھی بیٹھے، تب کہیں کوئی شعر نکالا ہے"

یہ سن کر استاد داغ نے کہا "تم شعر کہتے نہیں بلکہ جنتے ہو!"



اُستاد ذوق نواب الٰہی بخش کے پاس بیٹھے غزل پر اصلاح دے رہے تھے جس کا ایک مصرع یہ تھا۔ ع

کون روتا ہے یہ لگ کر باغ کی دیوار سے

اتنے میں ایک سوداگر نواب صاحب کی خدمت میں آیا انہوں نے اسکی لائی ہوئی چیزوں میں سے ایک اصفہانی تلوار پسند کی اور استاد کی طرف دیکھ کر فرمایا

؎ اس ضعیفی میں یہاں تک شوق ہے تلوار سے

استاد ذوق نے ایک لمحہ تامل کیا اور پھر مصرع لگا کر شعر موزوں کر دیا

اُٹھتے اُٹھتے یہ فی البدیہہ شعر پڑھا ؎

رات کو تھا آسماں پر ماہ و انجم کا ہجوم
صبح کو خورشید جب نکلا تو مطلع صاف تھا

خدا جانے شعر میں کرامت تھی یا طلسم، آغا بادشاہ کے علاوہ اور لوگ بھی آ موجود ہوئے اور مشاعرے کا از سر نو آغاز ہو گیا۔



ایک مشاعرے میں ناسخ اس وقت پہنچے جب جلسہ ختم ہو چکا تھا لیکن آتش موجود تھے، انہوں نے آتش سے پوچھا "کیا مشاعرہ ہو چکا" جواب ملا "جی ہاں سب کو آپ کا اشتیاق رہا"

ناسخ نے اپنے نام امام بخش کی رعایت سے یہ شعر برجستہ پڑھا ؎

جو خاص ہیں وہ شریکِ گروہ عام نہیں
شمار دانۂ تسبیح میں امام نہیں



کہتے ہیں نواب مرزا داغ ایک بار نماز پڑھ رہے تھے کہ کوئی صاحب ملاقات کیلئے آئے، اور داغ کو نماز میں مصروف دیکھ کر اُلٹے پیروں واپس چلے گئے۔ داغ نے آہٹ سُن لی تھی، سلام پھیر کر ملازم کو دوڑایا کہ دیکھو اور معلوم کرو کہ ابھی کون صاحب تشریف لائے تھے، انہیں واپس بلاؤ۔ ملازم نے دوڑ کر ان صاحب کو روکا اور اپنے ساتھ لے آیا۔

داغ نے دریافت کیا "حضرت! یہ آپ چلے کیوں گئے تھے"

میں تیرے صدقے، رکھ لے مری پیاری روزہ
بندی رکھے گی تیرے بدلے ساری روزہ

نواب بے اختیار ہنس پڑے اور بیٹے کی اجازت دے دی۔

پنڈت رتن ناتھ سرشار کا "فسانۂ آزاد" اودھ اخبار میں قسط وار چھپتا تھا اور اس کی وجہ سے اس کے خریدار بھی بہت تھے۔ منشی نول کشور اس کے مالک تھے۔ اتفاق سے سرشار صاحب نے لکھ دیا کہ خوجی نے قرولی مار کر خودکشی کر لی۔ منشی جی نے پڑھا تو گھبرائے، سرشار صاحب کو بلایا اور کچھ دے کر کچھ پلا کر خوش کر لیا۔ دوسرے روز سرشار صاحب نے لکھ دیا:

"یہ بھی خوجی کی ایک ادا تھی، جب انہیں کھانا جاتا دکھا تو وہ قہقہہ مار کر اٹھ بیٹھے۔"

آتش اور ناسخ کی معاصرانہ چشمک کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آتش کے مقابلے میں ناسخ کو ہمیشہ بادشاہ کی پذیرائی حاصل رہی۔ ایک روز بادشاہ کی طرف سے ایک خاص مشاعرہ ترتیب دیا گیا، اس میں آتش کو دعوت دی گئی لیکن حال یوں تھا کہ ان کے شاگردوں کو نظر انداز کر دیا گیا جبکہ ناسخ اپنے تمام شاگردوں سمیت۔ خود دیکھیے، مشاعرے کی ایک خاص بات یہ بھی کہ جب کوئی شاعر اپنا کلام سنا چکتا تو اٹھ کر چلا جاتا۔ جب آتش کی باری آئی تو آثار سحر نمودار ہو رہے تھے اور بزم مشاعرہ بالکل خالی تھی جیسے ہی شمع ان کے آگے آئی تو انہوں

نے اس کا نام "ارشاد عاشق" رکھ دیا

میر سے لکھنؤ میں کسی نے پوچھا "کیوں حضرت آج کل شاعر کون ہے"
کہا "ایک تو سودا، دوسرا خاکسار ہے" پھر کچھ تامل کرکے فرمایا "آدھے خواجہ
میر درد" کسی نے کہا "حضرت، اور میر سوز صاحب؟" چیں بہ جبیں ہو کر کہا
"میر سوز بھی شاعر ہیں؟" انہوں نے کہا "آخر استاد آصف الدولہ کے ہیں" کہا
"خیر ہے تو پونے تین سہی۔"

ایک دن سید انشاء نواب صاحب کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے،
گرمی سے گھبرا کر دستار سر سے رکھ دی تھی منڈا ہوا سر دیکھ کر نواب صاحب
کی طبیعت میں چہل آئی ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے ایک دھول ماری انہوں نے جلدی
سے ٹوپی پہن لی اور کہنے لگے "سبحان اللہ بچپن میں بزرگوں سے سنا کرتے تھے
وہ بات سچ ہے کہ ننگے سر کھانا کھائے تو شیطان دھولیں مارتا ہے"

ایک دن نواب نے پردہ رکھا اور حکم دیا کہ کوئی آنے نہ پائے، سید انشاء کو
ضروری کام تھا، نہ پہنچے، پہرہ دار نے کہا "آج حکم نہیں، آگے آپ مالک ہیں" یہ
بھی اپنے مزاج کے بندے تھے، تھوڑی دیر تامل کیا آخر کمر کھول دستار اتاری اور عورتوں
کی طرح دوپٹہ اوڑھ کر ایک ناز و انداز سے نواب صاحب کے سامنے جا کھڑے
ہوئے، جوں ہی ان کی نظر پڑی انشاء انگلی ناک پر رکھ کر بولے

نواب کو صرف موتی لوٹا کھسیا اور نکا ثبت کے لئے ہیں کیسے تک
مرزا ہم نے ہم کو سر حدا کا قائل سب ما؟
ہنس کر کہا "جناب عالی! تیر تو اللہ ہی کا تھا، پر حضور کا نہ فدوی کا۔"



خواجہ میر درد کے ہاں ایک ماہانہ محفل ہوا کرتی تھی۔ اس میں خواجہ صاحب اپنے والد کی تصنیف "نالۂ عندلیب" اور اپنے کلام کا کچھ حصہ بیان کیا کرتے تھے۔ ایک بار سودا سے ملاقات ہوئی۔ خواجہ صاحب نے آنے کی دعوت دی۔ سودا چمک کر بولے "صاحب! مجھے نہیں بھاتا کہ سو کوّے کائیں کائیں کریں اور بیچ بازار ایک مدا بیٹھ کر چوں چوں کرے۔"



میر تقی میر عموماً بیان کیا کرتے تھے جب انھوں نے تذکرہ "نکات الشعرا" لکھا تو ایک شاعر محمد یار مخلص بہ خاکسار نے بھی اس کے جواب میں ایک تذکرہ لکھا جس کا نام اپنے دوست محمد معشوق کمبوہ کے نام پر "تذکرہ معشوق" رکھا۔ محمد معشوق کی عمر اس وقت چالیس برس کی تھی۔ میر صاحب نے اس پر پھبتی کستے ہوئے کہا۔ "معشوقِ چہل سالہ"



میر صاحب کے ایک گہرے دوست محمد امان اللہ تھے، عزت تخلص کرتے تھے ان کی زبان میں لکنت اور ہکلاہٹ تھی اس لیے کبھی کبھی الکن تخلص بھی کرتے تھے۔ جی بہلانے کے لئے اکثر باغوں کی طرف چلے جاتے اور دن بھر وہیں گزارتے۔ میر صاحب

سخنورانِ قدیم

اگلے وقتوں کے سخنوروں کے ہاں طنز و مزاح و بذلہ سنجی کے ساتھ ساتھ پھبتیوں اور صلح جنگ کی بھی بھرمار ہوتی تھی ان میں سے میرزا سودا ہجوگوئی میں بڑھے ہوئے تھے۔ ایک بار سید انشاء نے یہ غزل پڑھی ؎

پھڑکی سہی ادا سہی چیں جبیں سہی
سب کچھ سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی

نوجوان انشاء نے جب یہ شعر پڑھا ؎

گر نازنیں کہے سے بُرا مانتے ہو تم
میری طرف تو دیکھئے میں نازنیں سہی

اس وقت سودا جو عالم پیری کے باوجود مشاعرے میں موجود تھے مُسکرا کر بولے "دریں چہ شک"۔

نواب آصف الدولہ ایک دفعہ شکار کو گئے خبر آئی کہ نواب صاحب نے پھیلوں کے جنگل میں شیر مارا ہے، سودا باوجود کہ ہمیشہ انعام و اکرام کے اساروں سے دیر بار تھے، فوراً کہا ؎

یارو! یہ ابن مُلجم پیدا ہوا دوبارہ
شیر خدا کو جس نے پھیلوں کے بن میں مارا

کیوں نہ اس کے مقدمہ لکھنے کی بجائے دائر کر دیا جائے؟

سو جناب والا! عرض یہ ہے کہ یہ سوجیاں معصومیت اور انسانیت کا ایک حصہ ہیں؛ پھر ان سے مسرتیں اور قہقہے بھی توجنم لیتے ہیں؛ اور یہ ہم سب کو معلوم ہے کہ کوئی قہقہہ تو لہو بڑھاتا ہے ——

ہمیں ایسے قارئین کی صحبت عزیز ہے اور وہ ہمارے مصنف بھی تو ہیں۔ ا
پس ہم نے اپنے کچھ ادیبوں اور ستاروں کی ادھر اُدھر بکھری ہوئی کچھ شوخیاں جمع کر دی ہیں کہ حقیقت بھی رہے اور لطائف بھی ——

سرحد پار کے اُردو اہل قلم کو تو ہم نے تقریباً بھُلا ہی رکھا ہے کیا حال ہے؛ اگر چلتے چلتے ان کے ساتھ بھی چند سوجیاں ہو جائیں تو؟

جب ہم نے مقدمہ دائر کر دیا ہے؛ آگے آپ جانیں؛ اور ہاں! یہ مواد بھی یوں ہی تو نہیں آگیا؛ اسے چودھری بشیر احمد صاحب کی بڑی صاحب زادی سیمارہ ہمایوں صاحبہ اسما صاحبزادہ وغیرہ دیکھی ہیں اور پھر مجھے انتخاب کرنے میں بھلا کیا مشکل تھی؛ اس لئے ان دونوں کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

عطش درانی ۶۷ - سی III گلبرگ III لاہور

مقدمہ عدالت میں !

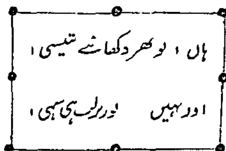
ہر کتاب کا مقدمہ لکھنا بھی بس فرض ہو کر رہ گیا ہے، بالکل عام روزہ کی طرح ۔ کوئی کہے بھلا ! اگر مقدمہ یا دیباچہ نہ لکھا تو کونسی قیامت آجائیگی ؟ — پر کیا کیا جائے، ہم ٹھہرے قوم برادری والے، کٹ کے کہاں جائیں ؟ اور پوری قوم ہے کہ مقدمے ماری میں لت پت ۔ ادھر پتا کھڑکا اُدھر مقدمہ دائر ——— فیصلہ ہو نہ ہو، اگلی نسل سے، مقدمہ ضرور چلے گا ۔

پھر اس پر بس کہاں ؟ اکثر لوگ بڑے دھوم دھڑلے سے وکیلوں کی خدمات حاصل کرتے ہیں ——— اور پھر یہ پیشہ ور لوگ منصف کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے ۔ ایسی چرب زبانی، شیریں مقالی اور دلیل و دلائل کے ذریعے ایسی تمہید باندھیں گے، ایسی فضا بنائیں گے کہ منصف صاحبان ان کے دھوکے میں آکر اصل کو پرکھنے کی بجائے آنکھیں بند کر کے جھٹ پٹ فیصلہ دے ڈالیں گے ۔

کچھ یہی حال کتابی دنیا کا ہے، بیشتر "مقدمہ باز" یا دیباچہ نگار قاری کو ایسے ایسے چٹکلوں سے رام کرتے ہیں کہ توبہ ہی بھلی، کتاب میں خواہ مزا آئے نہ آئے دیباچہ کا نون مرچ میں کچھ ایسا مسالہ دار اور چٹپٹا بنا دیتا ہے کہ قاری ان چٹخاروں میں کھو کر یہ سوچنا بھی گوارا نہیں کرتا ——— کہ ——— اصل مواد اسکی صحت پر کیا اثر ڈالے گا، مرچ مسالوں سے تو ویسے بھی ڈاکٹر نے پرہیز بتایا ہے، اس پر ہم نے سوچا کہ

اُن کے نام

جو حقیقت کے تلخ گھونٹ پی کر بھی مسکرا جاتے ہیں!!



شرکائے سخن

- سمعوراں قدیم۔
- میرزا غالب۔
- اکبرالہ آبادی ۔
- سرسید احمد خاں۔
- علامہ اقبال ۔
- مولانا ظفر علی خاں
- جگر مرادآبادی
- فراق گورکھپوری۔
- جوش ملیح آبادی۔
- کنور مہندر سنگھ بیدی ۔
- اسرارالحق مجاز ۔
- سعادت حسن منٹو۔
- مجید لاہوری
- حفیظ جالندھری۔
- کنہیالال کپور۔
- متفرقات دورِ جدید



sadhana publications
D-41 GULMOHAR PARK
(JOURNALISTS COLONY,
NEW DELHI 110049

VIJETA OFFSET PRINTERS

اہلِ قلم کی شوخیاں

نامور ادیبوں شاعروں کے لطیفے

مرتب

عطش دُرانی

اہلِ قلم کی شوخیاں

अहले कलम की शोखियाँ

By

अतश दुरानी